بہارِ نبوت ہر اک جگہ ہے
بہارِ نبوت میں زمزمہ ہے

بہارِ نبوت

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ

نمبر ﴿۲﴾

شمارہ: ۲

جمادی الآخرۃ ۱۴۳۹ھ مطابق فروری ۲۰۱۸ء

مدیر:

محمد طاہر سورتی

معاونین:

عبدالاحد فلاحی، عبید منیار، محمد داود میمن

ناشر:

دار الحمد ریسرچ انسٹیٹیوٹ

سوداگر واڑہ، سورت، گجرات۔ (الھند)

تفصیلات

کتاب کا نام .... بہار نبوت
مرتب .... طاہر سورتی
معاونین .... عبد الاحد فلاحی، عبید منیار، محمد داود میمن
طباعت .... جمادی الآخرة ۱۴۳۹ھ مطابق فروری ۲۰۱۸ء

PUBLISHERS:

DARUL HAMD RESEARCH INSTITUTE

SODAGARWADA, SURAT

+91 9173103824

dawoodm1992@gmail.com

ملنے کے پتے:

دار الحمد ریسرچ انسٹیٹیوٹ، سوداگرواڑہ، سورت۔

مکتبہ رشیدیہ، مولانا عثمان بن مولانا سلمان ہاشمی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، دار جدید کے سامنے۔

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۱۱	بنامِ خدا از مرتب	۱
۱۹	خشیت وعظ شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ	۲
۲۶	ایک یادگار مجلس حضرت شیخ محمد یونس صاحبؒ	۳
۳۵	ہمارے حضرت الشیخ کی چند صفاتِ حمیدہ مولانا عبدالسلام الخطیب بھٹکلی ندوی	۴
۵۳	آہ حسنِ عالم افروز! رفتید و لے نہ از دلِ ما مولانا ایوب صاحب سورتی	۵
۷۴	مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے مولانا عمرین محفوظ رحمانی	۶
۹۰	میرے عظیم استاذ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب	۷
۱۰۰	الخشوع فی الصلوٰۃ محمد داود میمن	۸

۹	یادیں۔۔۔۔ حافظ ذاکر کا پڑیا	۱۱۱
۱۰	علمی وعرفانی شہ پارے عبدالاحد بن یوسف فلاحی	۱۱۴
۱۱	ملفوظات حضرت شیخ مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ مولانا ہاشم صاحب فرخ آبادی	۱۲۸
۱۲	ایک تبرک	۱۳۷
۱۳	تعزیتی تجویز من جانب: دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر	۱۳۸
۱۴	حافظ ابن حجر اور علامہ عینیؒ	۱۴۳
۱۵	شیخ الحدیثؒ کے مسلک سے متعلق ضروری وضاحت۔مفتی زید مظاہری	۱۴۵
۱۶	یادیں حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتھم	۱۸۷
۱۷	تأثرات	۱۹۶

فہرست مضامین (تفصیلاً)

(۱)	بنامِ خدا	۱۱
(۲)	خشیت-وعظ شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ	۱۹
۱	خشیت کا معنیٰ	۱۹
۲	محرمات ومکروہات سے اجتناب	۲۰
۳	خشیت کیسے پیدا ہو؟	۲۰
۴	اہل محبت اوران کے سردار	۲۱
۵	حبِ رسول کیسے آئے......؟؟؟	۲۲
۶	ہاں میں ہاں......اور''نا''میں''نا''	۲۳
۷	آپ ﷺ کی بعثت کیوں؟	۲۳
۸	پہلے علم پھر تبلیغ	۲۴
۹	محبت کے اسباب	۲۵
(۳)	ایک یادگار مجلس-حضرت شیخ یونس صاحبؒ	۲۶
۱	ایک ارشاد قصہ عبرت کا	۲۶
۲	علامہ ناصرالدین البانی سے متعلق شیخ کا تبصرہ	۲۷
۳	ذاتِ محمدی	۲۹
۴	عمومی استغفار	۲۹
۵	توبہ کرلو!	۳۰

٦	یہ ہے اللہ کی سلطنت	٣١
٧	تواتر آ میری مدد کے لیے	٣٢
٨	استغفار کا وقت	٣٣
٩	میں کوئی واعظ نہیں	٣٣
(٤)	**ہمارے حضرت الشیخ کی چند صفاتِ حمیدہ-مولانا عبدالسلام الخطیب**	٣٥
١	تعلیم وتعلم	٣٦
٢	تحقیق وتتبع	٣٧
٣	جذبات نہیں، نقل	٣٨
٤	تنقید وتبصرہ	٣٩
٥	نقد وتحقیق، نہ کہ تنقیص	٤٠
٦	وسیع الظرفی	٤١
٧	امام نووی، قاضی عیاض اور ابن قدامہؒ	٤١
٨	امام شافعی، احمد واسحٰقؒ	٤٢
٩	میرے امام بخاری ہیں	٤٢
١٠	حضرت شیخ، علامہ شبلیؒ	٤٢
١١	سید سلیمان ندوی	٤٣
١٢	......تو تقریب نہ ہوتی	٤٤
١٣	تصحیح وتنبیہ	٤٤

۱۴	تنوع وتوسع	۴۵
۱۵	میں تو حنفی ہوں	۴۷
۱۶	محسنین کا تذکرہ اور سادات سے محبت	۴۸
۱۷	تعلق مع اللہ اور اتباعِ سنت	۵۱
۱۸	طریق سنت بے خطر ہے	۵۱
(۵)	**آہ حسن عالم افروز! رفتید و لے نہ از دلِ ما-مولانا ایوب سورتی**	**۵۳**
۱	عمر مبارک	۵۸
۲	تعلیمی وتدریسی مراحل	۵۹
۳	صحیح بخاری کے درس کی خصوصیات	۶۰
۴	اشتغال بالحدیث والمطالعة	۶۱
۵	تصنیف وتالیف	۶۲
۶	کتب خانہ	۶۳
۷	تحریر	۶۴
۸	تجوید	۶۴
۹	بیعت وارشاد	۶۴
۱۰	تقویٰ اور اتباعِ سنت	۶۶
۱۱	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر	۶۷
۱۲	مسلک ومشرب	۶۷

۱۳	اسفار	۷۱
(۶)	**مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے-مولانا عمرین محفوظ رحمانی**	۷۴
(۷)	**میرے عظیم استاذ حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ-مفتی رفیع عثمانی**	۹۰
۱	ترمذی کے سالانہ امتحان کا ایک واقعہ	۹۴
۲	پریشانی اور حضرت والا کی شفقت	۹۵
۳	دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد	۹۵
۴	حضرت کی ایک اور شفقت ’’پان کی عیاشی‘‘	۹۶
(۸)	**الخشوع فی الصلوٰۃ-محمد داود میمن**	۱۰۰
۱	خشوع وخضوع کے معنیٰ	۱۰۱
۲	بے خشوع نماز کی مثال	۱۰۴
۳	حضور اکرم ﷺ کی نماز	۱۰۴
۴	صحابۂ کرام واسلافِ عظام کی نماز	۱۰۵
۵	اقامت صلوٰۃ یا صرف صلوٰۃ	۱۰۷
۶	نماز میں خشوع خضوع کیسے پیدا کریں؟	۱۰۷
۷	اختلاس الشیطان	۱۰۹
۸	سفوفِ خانہ ساز	۱۱۰
(۹)	**یادیں۔۔۔-حافظ ذاکر کاپڑیا**	۱۱۱
(۱۰)	**علمی وعرفانی شہ پارے-عبدالاحد بن یوسف فلاحی**	۱۱۴

(۱۱)	ملفوظات حضرت شیخ یونس صاحب جونپوریؒ	۱۲۸
(۱۲)	ایک تبرک	۱۳۷
(۱۳)	تعزیت نامہ من جانب: دارالعلوم ترکیسر	۱۳۸
(۱۴)	حافظ ابن حجر اور علامہ عینیؒ	۱۴۳
(۱۵)	شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب کے مسلک سے متعلق وضاحت مفتی زید مظاہری	۱۴۵
۱	عرض مرتب	۱۴۵
۲	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کے مسلک کی وضاحت کا محرک	۱۴۶
۳	کسی شخصیت کے عقائد اور افکار و نظریات معلوم کرنے کا طریقہ	۱۴۹
۴	سلفیوں کے مسلک کی تائید	۱۵۱
۵	فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق حضرت شیخ کی رائے	۱۵۲
۶	عورتیں نماز میں مَردوں کی طرح بیٹھیں یا تورّک کریں؟	۱۵۵
۷	تنعیم اور مسجد عائشہؓ سے عمرہ کا احرام باندھنا مشروع ہے یا بدعت؟	۱۵۶
۸	ایک جانور کی قربانی سارے گھر والوں کی طرف سے کافی ہوسکتی ہے یا نہیں؟	۱۵۸
۹	بھینس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟	۱۶۱
۱۰	مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دو ہاتھ سے؟	۱۶۱
۱۱	حضرت شیخ کا تصوف سے گہرا ربط	۱۶۳
۱۲	اذکار و اشغال سے متعلق حضرت شیخ کا اہم مکتوب	۱۶۵

۱۳	لفظ اللہ اللہ ذکر مفرد کے متعلق حکیم الامت حضرت تھانوی کا ارشاد	۱۶۹
۱۴	ایک ضروری تنبیہ	۱۷۰
۱۵	''فضائلِ اعمال'' کتاب پر احادیثِ ضعیفہ ہونے کا اعتراض اور اس کا جواب	۱۷۳
۱۶	یومِ عاشوراء میں گھر میں کھانے میں فراخی اور وسعت کرنا	۱۷۶
۱۷	پندرہویں شعبان کی فضیلت حدیثوں سے ثابت ہے یا نہیں؟	۱۷۷
۱۸	رقیہ اور تعویذ شرک ہے یا نہیں؟	۱۷۸
۱۹	انبیاءِ کرام علیہم السلام عالم برزخ میں زندہ ہیں یا نہیں؟ اور اصحابِ قبور اور اولیاء سے فیض ہوسکتا ہے یا نہیں؟	۱۸۰
(۱۶)	**یادیں۔ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب**	۱۸۷
(۱۷)	**تأثرات**	۱۹۶

بنامِ خدا

طاہر سورتی

خالص توفیقِ خداوندی و امدادِ الٰہی سے شمارہ کی جلد اوّل شائع ہوئی، اور توقع سے زیادہ پسند کی گئی، لوگوں نے نہ صرف بالاستیعاب پڑھی، بلکہ خاص ذوق وکیف اور روحانیت میں ترقی کا احساس کیا۔ مختلف قارئین نے فون پر یا ملاقاتوں میں لفظاً مختلف، معناً متحد انطباعات بیان فرمائے۔ اس سے جہاں ایک جانب حوصلہ بڑھا، اطمینان اور فطری مسرت ہوئی، وہیں اندازہ ہوا کہ حضرت الاستاذ أمیر المؤمنین فی الحدیث کی روحانیت بعدِ فرقت زندہ ہے۔ اور صلاح و اصلاحِ امت کا جو کام حیات میں کیا، وہ بعد وفات بھی حضرت محدث مخلص کے افادات، تذکروں، تصنیفات وتالیفات کے ذریعے جاری رہے گا۔ بعض مبشرات سے توقع ہوئی ہے کہ اِن شاءاللہ لا تأکله الأرض و ینفع الناس و یفیدهم و یعلمهم کما فی حیاته. رحمه الله رحمة واسعة و إن أکن علی خطأ فی هذا فسامحونی. و أجرکم علی الله.

جن حضرات نے تبصرے تحریراً بھیجے ہیں، میں ان کا ممنون ہوں۔ اور ہمارے قارئین بھی اِن شاءاللہ ان سے متأثر و منطبع ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں کہ جلدِ دوم کے لیے بھی بہت موزوں مناسب اور وقیع مواد و تحریرات مہیا فرمادیں۔ اللهم لا أحصی ثناء علیک أنت کما اثنیت علیٰ نفسک.

حضرت مولانا محمد ایوب سورتی صاحب دام مجدھم کے توسط سے حضرت مرحوم کے قیمتی نگینے، خزینے، دفینے ہمیں ملے، ان کی طویل تحریر ہم نے ان سے مانگ کر لی۔ فجزاهم الله

خیرا. یہ تحریر ہمارے جریدے اور علاقے کے لیے جدید ہے۔ اللهم متعنا و انفعنا به.

استاذ محترم کے ایک دیرینہ تلمیذ، اور ندوہ کے استاذِ حدیث حضرت مولانا عبدالسلام صاحب نے بھی خوب ہی لکھا ہے۔ ماشاءاللہ۔ ان کا مضمون ضرور پڑھیے، ورنہ افسوس رہ جائے گا۔

ہمارے ادارے کے رفیق اور محدثِ اعظمؒ کے آخری تلمیذ عزیزم مولانا عبدالاحد فلاحی سلمہ کا مضمون شیخ رحمہ اللہ کی مجلس و درس کا نعم البدل ثابت ہوگا، اس سے حضرت کے درس کی ایک جھلک بھی سامنے آئے گی۔ اِن شاءاللہ۔ اس کی کم سے کم دس اقساط کا وعدہ ہے۔

میں ممنون ہوں مولانا عبید منیار و مولانا عباس صاحب سلمہما کا۔ شیخ کا ایک بیان تحریری جامہ میں عنایت فرمایا، یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ حضرت شیخؒ نے یہ بیان کہاں کیا تھا۔ یہ کسی بھی مادی ہدیے سے بہت قیمتی ہے۔ بارک اللہ فیهما و فقهما للمزید اسے پڑھتے ہیں تو لگتا ہے، شیخ ہمارے سامنے وعظ فرما رہے ہیں۔

مفتی زید صاحب مظاہری ندوی دامت برکاتہم کا بھی میں بے حد مشکور ہوں کہ آپ نے حضرت شیخ کے مسلک و مشرب کی توضیح میں اپنا مفصل و مدلل مقالہ عنایت فرمایا اور رسالے کو زینت بخشی۔ فجزاهم اللہ تعالیٰ أحسن الجزاء.

عزیزم مولوی ہاشم فرخ آبادی نے بہت ہی کرم فرمایا کہ اس عاجز مفلوک الحال کی حقیر درخواست پر محنت کر کے اپنی یادداشتیں بدستِ خود لکھ کر بھیجیں، جو حضرت مرحوم کے انمول فرمودات ہیں۔ یہ وہ سعادت مند انسان ہے، جس کو آخر کے آٹھ دس سال مسلسل شیخ کی خدمت خاص کا سہرا حاصل ہوا۔ فیاله السعادة!

یہ سب کی جانب سے رشک و قدر کے مستحق ہیں کہ انتہائی نامساعد حالات میں محدثِ مکرم کے ہوکر رہ گئے، جب اہل خانہ ان سے کچھ اور ہی توقع لگائے ہوئے تھے۔

حقیقۃً تو معلم مکرم زندگی بھر اپنے تلامذہ و متوسلین سے اقبال کی زبان میں فرماتے رہے

دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر	نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں	ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

اور بقول کسے

لوگ کہتے ہیں بدلتا ہے زمانہ اکثر	مرد ہیں وہ جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا	ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

آپ بولتے کم تھے، کرتے زیادہ تھے۔ آپ نے ثابت کر دیا کہ جو شخص قوتِ ارادی کا صحیح استعمال کرتا ہے، وہ ایک مثال بن جایا کرتا ہے۔ دنیا کا اسے کوئی نقصان نہیں ہوتا، بلکہ صحیح رخ پر ہو تو دارین میں چمک جاتا ہے۔

مثلاً: کم سوئے، لوگوں سے کم ملے، تفریح و سیر سپاٹے نہیں کیے، کھپے رہے، لگے رہے، تو کون سا نقصان ہو گیا شیخ کو؟

مجھے تو یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ زیادہ مطالعہ کروں گا، تو خشکی ہو جاؤں گا۔ محفلیں نہیں جماؤں گا، تو اکتا جاؤں گا۔ کھاؤں گا نہیں، تو کمزور ہو جاؤں گا۔ لیکن طاہر! یہ سب کمزور باتیں ہیں، جو با توفیق و ہمت حضرات کو زیب نہیں دیتیں۔ تم ٹھان لو تو کس کی مجال ہے جو تم کو روک لے۔۔۔؟

ہمت مرداں مدد خدا

کیسے گلے رقیب کے کیا طعنِ اقرباء	تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

شیخ کی حیات کو دیکھ کر جب اپنا معاشرہ، گھر اور گریبان جھانکتے ہیں، تو منظر کچھ اور ہی ہے۔ إلا من رحم.

ان بے زبان کتابوں کو اگر گویائی مل جاتی، تو یہ کہتیں ؎

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی	اے خانہ بر اندازِ چمن کچھ تو ادھر بھی

اے ابر کرم ذرا تھم کے برس
اتنا نہ برس کہ وہ آ نہ سکے
اگر آ جائے تو ذرا جم کے برس
اتنا برس کہ وہ جا نہ سکے

ہمارے اداءِ حقوق کے اہتمام و اشتغال مع الانام کو دیکھ کر یہ خزینے اور دفینے کہتے ہوں گے۔

لهم اشد علی من الضرات

سلف کا حال اس کے بالکل برعکس تھا کہ کتابوں کی دھن اور علم کی لگن دیکھ کر اُن کی بیگمات یہ کہہ اُٹھتی تھیں کہ اِن کی یہ کتابیں ہمارے لیے سوکنوں سے کچھ کم نہیں ہیں۔

ضرورت ہے کہ خصوصاً مولوی برادری شیخ رحمہ اللہ کو قدوہ و اسوہ بنائے۔ ابھی معاملہ تازہ ہے، عزائم کیے ہیں، عبرت ہوئی ہے۔ آیئے ہم سب مل کر عہد کریں کہ پڑھیں گے اور خوب پڑھیں گے۔ ان شاء اللہ اتنا پڑھیں گے کہ کسی کو کہنا پڑے:

إن لنفسک علیک حقا

إن لزوجک علیک حقا

إن لجسدک علیک حقا

إن لزورک علیک حقا

اس وقت مفکرِ ملت حضرت الرئیس مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دام مجدھم ہمارے اس انحطاط اور زہد وقناعت فی غیر محلہ سے بہت ہی کبیدہ خاطر و نالاں ہیں۔ہم نے اپنی اس لاابالی روش سے بہت ٹھیس پہنچائی ہے۔ اللہ ہمیں معاف فرمائے۔مکرم و محترم بھی معاف فرمادیں۔التماس ہے۔

آپ کا منشاء یہ ہے کہ استعدادیں مضبوط ہوں، جو طلبہ ہمارے حوالے ہیں، پوری امانت ودیانت، جفاکشی اور پتہ ماری سے انھیں تیار کریں۔نحو وصرف، بلاغت ومعانی ہمارے لیے اچھوت بنتے جارہے ہیں۔منطق وفلسفہ تو پہلے ہی اس فہرست میں جگہ پا چکے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں شوق وولولہ نصیب فرما، ہمارے جس گناہ کی وجہ سے لذتِ مطالعہ ومناجات چھینی ہے، وہ معاف فرما۔ اور ہمیں لذت کتب بینی وآہِ سحر گاہی عطا فرما۔ ہم نے تیرے برگزیدہ بندوں کو اپنے طرزِ عمل سے جو دکھ پہنچایا، اسے معاف فرما، ان کی ناراضگی ودل آزاری سے محفوظ رکھ، ہمیں اور ہمارے طلبہ وطالبات کو لگن اور محنت کی توفیق دے، مشکل امور ہمیں سمجھا دے۔ ورق گردانی اور کتب نشینی سے ہمیں آشنائی دے، حدیث اور کتب حدیث کو اس کے طریقے اور نہج سے پڑھنے کی توفیق ارزانی فرما، اور ہمیں بھی کلامِ رسول کا وہ عشق دے، جو تو نے ہمارے استاذ صاحب کو دیا تھا۔

دوروز قبل استاذِ مکرم حضرت مولانا یوسف قاضی مظاہری دام مجدھم سے ملنے گیا تھا۔آپ نے سنایا کہ جس زمانہ میں، میں پڑھتا تھا۔ایک مرتبہ شیخ اتنے بیمار ہوئے کہ نہ مسجد آسکتے، نہ سبق میں۔ عیادت کے لیے حاضر ہوا تو مطالعہ میں مشغول! میں نے عرض کیا، تو فرمایا: میں اور کیا کروں؟

شیخ مقویات بڑے اہتمام سے استعمال فرماتے تھے۔ حریرہ کی پابندی تھی، رات میں سات یا نو دانے بادام، اور اتنی ہی تعداد میں منقّٰی بھگو دی جاتی۔ صبح بادام چھیل لی جاتیں اور منقے کے بیج نکال کر دونوں کو ملا کر پتھر پر مکمل پیس لیا جاتا۔ اس مرکب کو اصلی گھی میں گرم کر لیا جاتا۔ یہ شیخ کی سب سے پہلی غذا ہوتی۔ غالباً شیخ اسے قوتِ حافظہ کے لیے استعمال فرماتے تھے۔

خمیرہ گاؤں زباں عنبری جواہر والا اور خمیرہ ابریشم (REX) پوری زندگی استعمال فرمایا۔ (رحمہ اللہ و عافاہ و تغمدہ بفضلہ)

کھانا ہمیشہ اصلی گھی یا روغن زیتون ہی میں بنتا تھا۔ اس معاملہ میں بھی شیخ کا ذوق بڑا نفیس وحساس تھا۔ چائے کے اوپر بالائی ڈالنا ضروری تھا، اور اس پر ڈھکن ڈھانک کر ہی شیخ کی خدمت میں پیش کیا جاتا، حالاں کہ مطبخ و مسند میں فاصلہ بہت کم تھا۔ فرماتے: العین حق. کسی کی نظر نہ لگ جائے۔

ایک مرتبہ باورچی خانہ میں تشریف لے لائے۔ لائٹر سے چولھا جلانے کا طریقہ بتایا، تو فرمایا بھائی! بڑا خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ میرے بس کا نہیں۔ کھانا ہمیشہ اندر کے کمرے میں بیٹھ کر کھاتے۔ نظر کا ڈر بہت لگتا تھا، صرف ایک آدھ خادم کو ہی قریب بیٹھنے کی اجازت تھی۔

اس زمانے میں تو شیخ مونچھیں وغیرہ اپنے ہاتھ سے ہی کتر لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آئینے میں چہرہ دیکھ کر فرمانے لگے۔ ماشاء اللہ کتنا خوب صورت ہوں۔ (دریں چہ شک؟)

ان شاء اللہ اس رسالے میں آئندہ ایک اہم سلسلۂ مضامین شروع کرنا ہے۔ **الأجوبة المستحسنة فی الأحادیث المشتهرة علی الألسنة** یہ اہم ترین علمی سوالات کے مدلل و محقق جوابات ہیں۔ بقلم الباحث المحقق الشیخ طلحة بلال منیار حفظه اللّٰه و سلمه و رعاه تلمیذ الشیخ عبد الفتاح أبي غدة رحمه اللّٰه تعالیٰ. ناظرین

سے باادب استدعاء ہے کہ خیال رکھیں، کہیں چھوٹ نہ جائے۔ بڑے علوم و معارف اور جواہر وزخارف ہیں۔

پہلے شمارے کی اشاعت کے وقت ارادہ یہ تھا اور وعدہ بھی یہی کیا تھا کہ دوسرا شمارہ فوراً ہی ان شاء اللہ منظر عام پر آئے گا، لیکن ایسا ہو نہ سکا اس کی وجہ نا قابلِ بیان ہے، باقی جہاں تک مواد کی بات ہے، وہ تو الحمدللہ بروقت تیار ہو گیا تھا۔ بہت سے محبین اور اہلِ ذوق بار بار ملاقاتوں پر یا فون سے اپنا انتظار و اشتیاق ظاہر کرتے رہے۔ ان حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ ندامت اور شرمندگی کا احساس پیش کرتا ہوں، عذر بہت شدید تھا ورنہ آپ کو انتظار کی زحمت ہرگز نہ دیتا۔ اور اس تاخیر میں خیر کا پہلو یہ ہے کہ اب مزید شوق و رغبت سے اسے پڑھا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ ہمیں آپ کے تأثرات اور مفید مشوروں اور اغلاط پر تنبیہ کا انتظار رہے گا۔

بہار نبوت ہر اک جگہ ہے
بہار نبوت میں زمزمہ ہے

خشیت

وعظ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ. و أصلی و أسلم و بارک علی نبینا محمد المصطفیٰ و علی الہ و أصحابہ أجمعین. أما بعد!

قال اللہ تعالیٰ: ان الذین یخشون ربھم بالغیب لھم مغفرۃ و اجر کبیر. (الملک: ۱۲)

خشیت کا معنیٰ:

بہت چھوٹی سی آیت ہے، سورۂ تبارک میں وارد ہے۔ اس میں مغفرت واجر کا دارومدار ایک خاص صفت کو قرار دیا ہے، جس کو عربی میں ''خشیت'' اور اردو میں ''ڈرنا'' کہا جاتا ہے، یہی وصف ایسا ہے کہ جب انسان پر غالب آتا ہے تو وہ فرائض وواجبات کی ادائیگی کا اہتمام کرتا ہے۔ نواہی محرمات ومکروہات سے اجتناب کرتا ہے، اس لیے کہ ڈرنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سوتے وقت کسی چیز کو دیکھ کر ڈر جائے، بلکہ ڈرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ سوچ سمجھ کر ہر ایسی چیز سے ڈرا جائے جو انسان کے لیے دین ودنیا کے اعتبار سے نقصان دہ ہے۔ اس کے بعد ایک بڑا میدان ہے۔ مختصر لفظوں میں یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے، اس کے احکام کا اہتمام کرے اور احکام کے ٹوٹنے سے پرہیز کرے۔ سب سے پہلے فرائض کا اہتمام کرے۔ اللہ تعالیٰ نے نمازیں فرض کیں۔ اس کو اس کے اوقات میں ادا کیا جائے۔ جماعتِ مسجد کے ساتھ ادا کیا جائے۔ روزہ، زکوٰۃ، حج بھی فرائض ہیں، اس کی بھی ترتیب علماء نے بیان کی ہے، اس کے مطابق اس کو ادا کرنا چاہیے۔ اس کے بعد ایک اور مرحلہ ہے، نواہی

محرمات سے اجتناب کا۔ اللہ تعالیٰ نے چوری، ڈکیتی، زنا وغیرہ کو حرام قرار دیا ہے آدمی اس کے قریب بھی نہ جائے۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت، ہیبت دل پر بیٹھ جائے۔

محرمات و مکروہات سے اجتناب:

ایک بچہ نے مجھ کو خط میں لکھ دیا کہ نگاہ کے غرر سے کیسے بچوں؟ تو میں نے لکھ دیا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا تصور کرو کہ یہ آنکھ جہنم میں گرمائی جائے گی۔ جب تک یہ نہ ہوگا، وہاں تک یہ نظر کا گناہ آدمی کے باطن سے باہر نہ جائے گا۔ اب بتاؤ اگر کوئی آدمی کوئی بھی کام کرے، اور اس پر اللہ تعالیٰ کا خوف غالب ہو تو کیا وہ یہ کوشش نہ کرے گا کہ اس کا عمل صحیح ہو، خراب نہ ہونے پائے؟ کوئی بھی عمل کرے گا اس کو اپنی فکر لگ جائے گی اور یہی وہ فکر ہے جس سے آدمی فرائض و واجبات ادا کرے گا۔ محرمات و مکروہات سے بچے گا اس کے بعد اس پر مغفرت و اجر کبیر کا وعدہ ہے۔

خشیت کیسے پیدا ہو؟

سوال: اب ایک سوال دل میں آتا ہے کہ یہ خوف و خشیت پیدا کیسے ہوگی؟

جواب: اس کے حصول کے دو راستے ہیں: (۱) ایسے شخص کی صحبت سے پیدا ہوگا جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ وصف رکھا ہے۔ تو اس کی صحبت سے رفتہ رفتہ ڈرنے کا وصف پیدا ہو جائے گا۔

چناں چہ ایک طالب علم تھے، جو دو سال مجھ سے پیچھے تھے۔ میں حدیث شریف کا شوق رکھتا تھا ان کو تفسیر کا شوق تھا۔ وہ میرے پاس آنے لگے، سال گزرنے کے بعد کہنے لگے کہ میری طبیعت تفسیر کی تھی اب حدیث کی بن گئی۔ ایسے ہی مؤمن کسی کے ساتھ اٹھے بیٹھے اس کا وصف اس میں منتقل ہوگا، شدہ شدہ۔ اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب دو چیزیں ہوں

(۱) اعتقاد سے ملے (۲) محبت سے ملے۔ کیوں کہ محبت ایک ایسا جوہر ہے کہ وہ دوسرے کے کمال کو اپنے اندر کھینچ لیتا ہے۔ ہمارے استاذ حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب ؒ فرماتے ہیں: ''محبت جذب کرتی ہے کمالات خفیہ کو۔''

بہر حال جس شخص سے آپ کو محبت ہے اس کے پاس آپ جا بیٹھیں، لیکن ہر جگہ یہ میسر نہیں ہوتا اور نہ ہر آدمی کو ایسا آدمی ہر جگہ ملتا ہے کہ اس کو اس سے اس درجہ اعتقاد ہو کہ وہ محبت کے درجہ تک پہنچا ہوا ہو۔ اور محبت اس کو اپنی طرف کھینچ کر لے آوے۔ (۲) دوسرا آسان راستہ یہ ہے کہ آپ اہل محبت کی باتیں پڑھیں، اس سے آپ میں یہ جذبہ پیدا ہوگا۔

اہل محبت اور ان کے سردار:

اہل محبت کون لوگ ہیں دنیا جانتی ہے۔ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طاعت کا شوق کے ساتھ جذبہ عطا فرمایا ہے یہ ہیں اہل محبت۔ اور سب کے سردار حضرت محمد ﷺ ہیں، لہٰذا ان سے محبت کیجیے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں حُبُّ الْحَبَائِبِ حِرْمَانٌ وَ مَنْدَمَةٌ وَثِقْ بِحُبِّ رَسُوْلِ اللّٰہِ دنیا والوں کی محبت محرومی کا سبب ہے اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کرو، یہ تم کو آگے لے جائے گی، اور تمہاری رہنمائی کرے گی۔ اللہ کے رسول ﷺ کی محبت یہ ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے۔ حضور ﷺ کا ارشاد عالی ہے ۱۹ر صحابہ رضی اللہ عنہم سے میرے علم کے مطابق منقول ہے، فرماتے ہیں: المرء مع من احب (بخاری:۶۱۶۷ / مسلم:۲۶۴۰ / مسند احمد:۳۷۱۸) آدمی اس کے ساتھ ہوتا ہے جس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ مع من احب ساتھ ہونا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی اتباع و اطاعت کرے ورنہ جو اتباع و اطاعت نہ کرے تو پھر محبت کیسی؟

حبِ رسول کیسے آئے......؟؟

اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کیسے محبت پیدا ہو؟ تو قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ محبت نام ہے: میل النفس کا، کسی چیز کی طرف دل کا جھک جانا۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ۱/ ۲۷۸) یہ اس وقت ہوگا، جب آپ جھکاؤ کے اسباب اختیار کریں۔ اس کے پیدا ہونے کی دو صورتیں ہیں: (۱) اختیاری (۲) اضطراری۔ دوسری صورت یہ قرابت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ سب سے زیادہ اولاد کی محبت ہوتی ہے، پھر والدین کی محبت ہوتی ہے۔ پھر اعزہ و اقارب سے ہوتی ہے۔ یہ محبت باب ایمان میں مطلوب نہیں ہے، بلکہ پہلی صورت باب شریعت میں مطلوب ہے۔ (التعلیقات المختصرة علی العقیدة الطحاویة/ ۱۷۸) ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جناب نبیٔ کریم ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! لأنت أحب إليّ من كل شيئ إلا من نفسي. تو آپ ﷺ نے فرمایا: لا والذی نفسی بیده حتى أكون أحب إليك من نفسك. تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: فإنه الآن و الله لأنت أحب إليّ من نفسي. تو آپ ﷺ نے فرمایا: الآن یا عمر. (بخاری: ۶۶۳۲، ۳۶۹۴)

یہاں سوال ہے کہ ابھی تو کہہ رہے تھے إلا من نفسي اور اسی گھڑی کہہ رہے ہیں کہ أنت أحب إليّ من نفسي یہ محبت کیسے پیدا ہو جاتی ہے؟ اضطراری محبت اس طرح سے بدل نہیں جاتی، یہ تو اختیاری محبت ہے۔

اختیاری وعقلی محبت: إيثارُ ما يَقْتَضِيهِ العقل السليم رجحانه و إن كان على خلاف هوى النفس. ایسی چیز کو ترجیح دینا جو عقل سلیم کے تقاضہ کے مطابق ہو اگر چہ نفس کے خلاف ہو۔ جیسے آدمی کو دوا کھانے کا جی نہیں چاہتا لیکن کھانی پڑتی ہے۔

ہاں میں ہاں ......اور ’’نا‘‘ میں ’’نا‘‘:

اب یہیں رک جایئے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں سوچ لیجیے کہ انہوں نے جو کچھ دین وشریعت ہمارے لیے متعین کیا ہے۔ کیا اس میں ان کا کوئی فائدہ تھا؟ کوئی ذاتی غرض نہیں تھی، بلکہ ہمارا ہی فائدہ تھا۔ دل فوراً تیار ہو جائے گا۔ جیسا کہ والدین کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے، تو بچہ کی ہر ہاں میں والدین ہاں ملاتے ہیں اور نا میں نا ملاتے ہیں۔ یہی چیز ہمیں اپنے اختیار سے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کرنی ہوگی۔ ہاں میں ہاں اور نا میں نا۔ اب یہ چیز پیدا کیسے ہوگی؟ یہ اختیار سے ہوتی ہے، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اختیار سے کیا۔ اسی طرح میں نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق پڑھا کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ حکم دیں تو اپنے نفس کو بھی قتل کر دوں۔ (تفسیر ابن أبی حاتم/ ۵۵۶۶) کون کہہ رہا ہے؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کی حالت کیا ہے؟ جنگ احد ہو رہی ہے کفار چاروں طرف سے آ رہے ہیں، اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ برچھا لے کر آگے آ رہے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: یا ابا بکر! ابق لی نفسک اے ابوبکر! میرے لیے اپنی جان بچاؤ! اس لیے کہ غلبہ کا وقت ہے۔ تمہارا بچنا میرے بچنے کا ذریعہ ہے۔ اور میرا بچنا دین کے بچاؤ کا سبب ہے، اس لیے اپنے آپ کو بچاؤ۔ گویا آپ ﷺ نے اپنی جان بچانے کے لیے نہیں کہا تھا، بلکہ دین کے بچاؤ کے لیے کہا تھا۔

آپ ﷺ کی بعثت کیوں؟

آپ ﷺ تو آئے ہی اس لیے تھے کہ دین کی نشر و اشاعت ہو۔ کیوں کہ جب آپ ﷺ کو نبوت عطا کی گئی، تو سب سے پہلے سورۂ اقرأ کی پانچ آیات دی گئیں: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ . خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ . اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ . عَلَّمَ

الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ. اپنے رب کا نام لے کر پڑھو! جس نے تم کو پیدا کیا۔ اور انسان کو دم بستہ سے پیدا کیا۔ پڑھو تمہارے رب بڑی کرامت و بزرگی والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قلم کے ذریعہ علم دیا، ایسی بات سکھادی جو وہ نہیں جانتا۔ علم کے ذریعہ انسان کو ہدایت کا راستہ ملتا ہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا: وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا. (النساء/ ۱۱۳) اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا علم دیا ہے جس کو تو آپ جانتے بھی نہ تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔ علم جب آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضلِ عظیم کو لے کر آتا ہے۔

پہلے علم پھر تبلیغ:

نبی کو سب سے پہلے علم عطا کیا گیا، پھر جب علم آ گیا تو سورۂ مدثر میں فرمایا: یَاَیُّھَا الْمُدَثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ. (۲-۱) اے چادر والے صاحب! اٹھو! اور اپنی قوم کو ڈراؤ! ڈرانا یہ نہیں کہ دیکھو وہ بچھو جارہا ہے۔ وہ سانپ جارہا ہے بلکہ انذار کے معنی خطرہ کی گھنٹی بجانا ہیں۔ آخرت کے احوال کی طرف توجہ دلانا۔ نبی کو پہلے نبوت دی گئی پھر تبلیغ کا کام سپرد کیا گیا، اسی لیے حدیث پاک میں ہے: إنما بعثت معلما (ابن ماجۃ: ۱۶۹) و فی روایۃ: إنما بعثت مبلغا. (مفھومہ عن عائشہ انما بعثنی اللہ مبلغا: ۴۴۰۴/ الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر) معلوم ہوا تبلیغ اٹکل پچو سے نہیں ہوتی، بلکہ علم کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ پہلے علم کا درجہ ہے پھر تبلیغ کا درجہ ہے۔ نیز تبلیغ وہی معتبر ہے جو علم کے مطابق ہو ورنہ تبلیغ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ بہرحال اگر آپ مغفرت و اجر کے طالب ہیں، تو خشیت پیدا کرنی ہوگی۔ اور خشیت اہل اللہ کی محبت سے یا سید السادات حضرت رسول اکرم ﷺ کی محبت سے۔ اور محبت آپ ﷺ کے احسانات کو سوچ کر آئے گی۔

محبت کے اسباب:

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: محبت کے تین اسباب ہیں (۱) جمال (۲) کمال (۳) احسان (نوال) الإنسان عبد الإحسان ایک روایت میں ہے جُبِلَتِ القلوب علی حب من أحسن إلیها۔ (احیاء علوم الدین ۴/ ۲۹۸) مامون رشید سے اس کے وزیر برمکی نے کہا کہ تم میرے بیٹے سے محبت کرو تو مامون نے کہا کہ میں تو تم کو سمجھدار سمجھتا تھا۔ یہ تو غیر اختیاری ہے تو وزیر نے کہا کہ ہاں! یہ صحیح ہے، لیکن آپ میرے بیٹے کے ساتھ احسان کا برتاؤ کریں، تو اس کو آپ سے محبت ہو جائے گی۔ بہرحال یہ ایک فطری چیز ہے۔ لہٰذا جب آپ ﷺ کے احسانات کو سوچیں گے، تو آپ ﷺ سے کیوں محبت نہ ہوگی۔ جو أنا سید ولد آدم (مسلم: ۲۲۷۸) ہونے کے باوجود سجدہ میں ام سلمہ، عائشہ رضی اللہ عنہما کے بجائے یا رب أمتی، یا رب أمتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو مناتے ہوں ان سے امت کیوں محبت نہ کرے گی۔

پیش کش: عباس بن یوسف

خادم: جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ بھروچ گجرات

ایک یادگار مجلس:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ

(مرسلہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب لمباڈا)

(۱) ایک ارشاد قصہ عبرت کا:

ایک قصہ عبرت کا سناتا ہوں رائے پور کے قریب ایک بستی ہے، وہاں ایک بڑھیا مرگئی تھی، لوگ لے گئے اس کو دفن کرنے کے لیے، تو وہ زندہ ہوگئی، تو اس کو واپس لے آئے۔ اور اس سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ اس نے کہا: جب تم لوگ مجھے لے کر گئے، قبر کے پاس پہنچے تو مجھے پیاس لگی، میں نے کہا: پانی پلاؤ، کہنے لگے: تو نے بھی کبھی کسی کو پلایا ہے؟ پھر قبر میں اتارا، تو وہاں ایک بزرگ سے بیٹھے ہوئے تھے، ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، انہوں نے اس چھڑی سے اس کے پاؤں پر مارا، اور کہا: یہ نہیں! اس نام کی دوسری۔ بس میں زندہ ہوگئی۔ اس کے بعد بہت بڑی زاہدہ، عابدہ، سخیہ ہوگئی۔ بس جب اللہ کسی کو چاہ لیتے ہیں اسے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ مولوی عبدالحمید صاحب مرزاپور والوں نے سنایا تھا۔ اس لیے ڈرنا چاہیے کل کس کا کیا انجام ہو، کسی کو پتہ نہیں۔

ایک جوان نے مجھے لکھا: بدنظری کی مجھے عادت ہے، میں نے کہا: اللہ کا خوف اس کا علاج ہے۔ اور اس وقت پتہ چلے گا جب جہنم میں تمہاری آنکھ گرمائی جائے گی۔

(۲) علامہ ناصر الدین البانی سے متعلق شیخ کا تبصرہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الشیخ علیہ الرحمۃ: و ليس كل حديثِ مدلِّسٍ ساقطاً، و لَا كلُّ حديثِ غيرِ مدلِّسٍ معتمَداً، إنما يُعتمد على القواعد. وأما القواعد فيكون أصلها ثابتا، وقد لا يكون. السؤال الذي ذكرته ذكره آخرون مع الجواب عنه أو السكوت عنه، ولكن الأمر بيد المحقق. هؤلاء المحدثون الذين صنفوا في الأحاديث كانوا هم أهل التحقيق، والمحقق إذا اختار شيئا فيكون شيئا معتبرا. وأما الذين جاءوا بعدهم، فإن كانوا من أهل التحقيق وأهل العلم كالذهبي، فزمانهم متأخر من زمان القدماء، وقد ظهر لهم مالم يظهر للمتأخرين. هذا الإشكال لا جواب له، هذا أصل الأصول، ولكن الإمام يعرفه.

الشیخ علیہ الرحمۃ: شامیوں کا علم بڑا اچھا ہوتا ہے۔

الشیخ علیہ الرحمۃ: البانی اہلِ تحقیق عالم ہیں، لیکن تنہا ان کی بات غیر معتبر ہے، سب کے خلاف ایک بات بولتے ہیں۔ أئمة الحديث كلهم جمعوا هذه الأحاديث وترجموا لها وعدّوها مما يعمل به، وجاء الألباني بضعيف وصحيح، وفرّق بينهما، وقال: هي معمولة وهي غير معمولة، فنقبل قول الجماعة أم نقبل قول الألباني؟ یہی مجھ سے پوچھا تھا حجاز میں، میں نے ٹیڑھا جواب دے دیا، سب گھبرا گئے کہ یہ عجیب ہے۔ ظاہر ہے، البانی اکیلا بم مار رہا ہے، اور وہ پوری جماعت بمباری کر رہی ہے، کس کا قول چلے گا، کس کی بات معتبر ہوگی؟ خود عقلِ انسانی فیصلہ کرتی ہے۔

أحد من الحاضرين: انہوں نے لکھا ہے کہ ذہبی نے زیادہ سے زیادہ یہ کہا: ”ففي

قلبي منه شيئ" لیکن انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ حدیثیں غیر معتبر ہیں، صحیح نہیں ہیں۔

الشیخ علیہ الرحمۃ: صحیح ہے۔

أحد من الحاضرین: ہاں ذہبی نے اتفاق کیا، مسلم کی جلالتِ شان کے سامنے انہوں نے گھٹنے ٹیک دئے، اور البانی نے آکران پر ظلم شروع کر دیا۔

الشیخ علیہ الرحمۃ: امام مسلم ایسے ویسے نہیں ہیں، جیسا لوگ سمجھتے ہیں، امام بخاری کے ٹائپ کے ہیں۔

أحد من الحاضرین: آپ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ دارقطنی نے جو کہا "لولا البخاري لما جاء مسلم" یہ غلط ہے؟

الشیخ علیہ الرحمۃ: بالکل غلط ہے۔ کتنی احادیث مسلم میں ایسی ہیں، جو بخاری میں نہیں ہیں۔ اور بعض احادیث ایسی ہیں، دونوں میں مشترک، بخاری کے پاس ایک طریق ہے، اور مسلم کے پاس چھ سات طریق ہیں۔ جامعہ اسلامیہ کے کسی استاذ نے کہہ دیا کہ بخاری کی حدیثیں صحیح ہیں، مسلم کی حدیثیں حسن ہیں، وہ غلطی کر رہا ہے۔

أحد من الحاضرین: کسی نے بخاری کے بارے میں بھی وہیں عرب میں لکھا تھا کہ بخاری میں سو حدیثیں ضعیف ہیں، شیخ احمد عاشور نے آپ کو بتایا تھا۔

الشیخ علیہ الرحمۃ: منتقد فیہ ہونا اور ہے، ضعیف ہونا اور ہے، کسی چیز پر نقد ہوتا ہے لیکن وہ صحیح نقد نہیں ہوتا ہے یا محتمل ہوتا ہے، اور مصنف فن کا امام ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ صحیح ہے، ہم فن کے امام کی بات مانیں یا بعد کے ایک متأخر کا احتمال مان لیں؟ دین کا یہ اثاثہ جائے گا کہاں؟ ایسے ہی جاہل محققین تحقیق کر کے اپنی دلیل کو مجروح کرائیں گے، اور بعد میں کسی کو صحیح بات معلوم نہ ہوگی۔ مسلم کے کچھ معاصرین تھے، وہ ان کے ساتھ تظاہر اور تفوق چاہتے تھے، دنیا

نے توجہ کی، لیکن اہلِ ایمان نے ان کی باتوں کو مانا نہیں۔ مسلم کی کچھ روایتوں پر کلام ہے، لیکن کسی کو ہے، بہت سوں کو اعتماد ہے۔

(۳) ذاتِ محمدی:

نبیٔ اکرم ﷺ کا وجود مقدس ایسا تھا کہ اس وقت کے لوگوں کو آپ کے شمامۃ العنبر روحانیت سے ایسی حقیقت، ایسی طاقت حاصل ہوتی تھی، جو بعد میں کسی کو حاصل نہیں ہوسکتی ہے۔ اس سے ذات محمدی کی افضلیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اور ان کے قرب الی اللہ کا مقام معلوم کیا جاسکتا ہے۔ آپ کا یہ قرب ہی ایک ایسی چیز ہے، جو بعد میں کیا، کبھی بھی حاصل نہیں ہوا۔ قرآن کریم اعلان فرماتا ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ. (اللہ ساری دنیا کو عذاب میں مبتلا کردے، یہ ہو نہیں سکتا، جب تک آپ زندہ ہیں) آپ کا وجود سب کے لیے ضمانِ امانت ہے، سب کے لیے حفاظت کا ضامن ہے۔

اب یہاں ایک سوال ہوتا ہے۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ آیا امت کا کیا ہوگا؟ آپ تو چلے گئے، آپ کے بعد جو لوگ آئیں گے، ان کی حفاظت کی کیا صورت ہوگی؟ قرآن کتاب کامل ہے، نبیٔ کریم ﷺ آخری نبی ہیں، اور دین اکمل لے کر آئے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو تشنہ نہیں چھوڑا، ارشاد فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ. (اللہ پوری مخلوق کو عذاب نہیں دے سکتا، اگر سارے لوگ استغفار کریں) معلوم ہوا کہ استغفار کرنے سے خداوند عالم سب لوگوں سے بلاؤں کو اٹھا لیتے ہیں۔

(۴) عمومی استغفار:

اور اس کی شہادت حضرت یونس علیہ السلام کی امت کے قصہ سے معلوم ہوتی ہے،

عذاب آ گیا، سروں پر منڈلا رہا ہے، امتِ یونس میدان میں چلی گئی، سر رکھ دیا، اور رونے لگے، توبہ کرنے لگے۔ چوں کہ ساری امت جمع ہو کر توبہ کے لیے گئی تھی۔ عذاب وہیں سے اوپر چلا گیا، غائب ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ اگر آپ عمومی استغفار کریں گے، تو آپ کی بھی حفاظت ہو گی۔ استغفار کی کثرت کیجیے! کوئی آدمی اپنے آپ کو استغفار کی کثرت سے مستثنیٰ نہیں کر سکتا ہے۔ ہر انسان کی غفلت نے انسان کو کہاں پہنچایا، اس کو سمجھنے کے لیے یہی ترک استغفار ہے۔ دیکھ لیجیے! عمومی استغفار پر تو عذاب کے رفع کا اعلان کیا جاتا ہے، لیکن اگر عمومی استغفار نہیں کیا جائے گا، تو ترک استغفار ہو گا، ترک استغفار کیا ہے؟ خود سمجھ سکتے ہیں بلائیں آئیں گی، اور رکیں گی نہیں۔ آپ لوگ اس کا اہتمام کریں۔ کوئی آدمی بھی استغفار سے غفلت نہ کرے۔ اعراض کرنا تو بہت سخت چیز ہے، غفلت کرنا اور چیز ہے۔ اللہ کے سامنے روئیے دھوئیے اور اللہ تعالیٰ شانہ کو راضی کیجیے۔ بغیر رضائے حق کے کوئی کام نہیں ہوتا۔ اس سے غفلت نہ کیجیے۔

(۵) توبہ کرلو!

محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات تو مجمع الصفات النورانیہ تھی، اس کا نور جو اٹھتا، تو ساری دنیا پر پھیل جاتا تھا، اور اس کی وجہ سے دنیا معطر ہو جاتی تھی۔ اللہ نے کہہ دیا: آپ کے ہوتے ہوئے عذاب نہیں آئے گا۔ اور آپ کی امت کے لیے ہم انتظام کرتے ہیں، اگر سب لوگ استغفار عمومی کریں گے تو عذاب نہیں آئے گا۔ اکثر یہ مصیبتیں آتی ہیں، آپس کے اختلاف سے آتی ہیں، معصیت کے اکثار سے آتی ہیں، توبہ کرلو! توبہ فوراً دیوار کھڑی کرتی ہے، اور عذاب کو روک دیتی ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں استسقاء کی ضرورت

پیش آئی، بنواسرائیل نے درخواست کی، حضرت ان کو لے کر میدان میں تشریف لے گئے، بارش ہی نہیں ہوئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتلایا گیا کہ ان میں ایک شخص ایسا ہے، جس نے بغاوت کر رکھی ہے، اللہ کی مخالفت کرتا ہے، جب تک وہ ہے اس وقت تک بارش نہ ہوگی۔ ایک مجرم کے جرم نے سب کو بارش سے محروم کر دیا، جب ایک مجرم کا جرم اتنا بڑا نقصان رکھتا ہے، تو اگر بہت سے مجرم جمع ہو جائیں، تو کتنا بڑا نقصان آئے گا! خود آپ سوچ لیجئے۔ ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ بارش دھما دھم شروع ہوگئی، اب موسیٰ علیہ السلام نے جنابِ الٰہی میں عرض کیا: اللہ! یہ کیا بات ہے؟ ابھی تو فرمایا گیا تھا کہ مجرم اس مجلس میں ہے، ہم بارش نہیں اتاریں گے، اور اتار دی؟ فرمایا: اس نے ہم سے توبہ کر لی، تعلق جوڑ لیا، اس لیے بارش نازل کر دی۔ معلوم ہوا کہ ایک شخص کا جرم عذابِ الٰہی کا سبب ہوتا ہے، بارش نہیں ہوئی، اور اسی ایک شخص نے توبہ کر لی، تو اللہ کا کرم متوجہ ہو گیا، بارش شروع ہوگئی، اور لوگ خوش وخرم ہو گئے۔

(٦) یہ ہے اللہ کی سلطنت:

لوگو! اللہ کے سامنے روؤ!، اللہ کے سامنے اپنے جرم کا اقرار کرو! جرم کے اقرار کے بعد اللہ کی عنایت متوجہ ہوگی۔ حضور اکرم ﷺ کو حضرت عائشہؓ سے جتنی محبت تھی، احادیث کے پڑھنے والوں کو اس سے غفلت نہیں ہے، ناواقف نہیں ہیں۔ جب منافقین نے سیدہ امّنا عائشہؓ پر تہمت لگائی، تو ایک حرکت تھی، جو باطن میں پیدا ہوگئی۔ اور کچھ لوگ عائشہؓ کے خلاف بولنے لگے۔ حضرت مسطح بن اثاثہ انہیں لوگوں میں تھے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کی غربت کی وجہ سے ان کی مدد فرماتے تھے، لیکن بیٹی کا مسئلہ تھا، ناخوش ہو گئے، فرمایا: ”لا أنفق

علیه بنافعة أبدا" میں اس پر کبھی نفع والی چیز خرچ نہیں کروں گا، یہ کہا کس نے؟ ابوبکر نے۔ ابوبکر کون ہیں؟ یہ حضور ﷺ کے بعد سب سے افضل ترین انسان ہیں۔ واقدی کی روایت میں ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے ایک جنگ میں صدیق اکبر سے فرمایا: "یاأبابکر! أبق لي نفسک" ابوبکر! تو اپنی جان میرے لیے بچا! کتنا بڑا ان کا درجہ ہے! فرمارہے ہیں: "أبق لي نفسک" سب کچھ ہے، لیکن انہوں نے کہہ دیا: مسطح کو کچھ نہیں دوں گا، آسمانی سلطنت کی طرف سے اعلان ہوا: "وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوٓا أُولِي الْقُرْبٰى وَ الْمَسَاكِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَلْيَعْفُوْا وَ لْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ" بڑے میاں ایک دم سے کہنے لگے: "بلی! أحب أن يغفر الله لي" اسی وقت ان کی دنیا میں تبدُّل آگیا، کہاں تو کہا تھا "لا أنفعه بشيئ أبدا" اور ادھر اب کہہ رہے ہیں: میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کردیں یہ ہے اللہ کی سلطنت۔ اللہ کسی بڑے سے بڑے مجرم کو محروم نہیں رکھتے ہیں اگر وہ توبہ کرلے، تو سب کچھ اس کے معاصی کو دھو دیتے ہیں، صاف کردیتے ہیں۔ بھائیو! اگر آپ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ آپ سے راضی ہوں، تو توبہ واستغفار کرلیں اور اللہ کو اپنی طرف متوجہ کرلیں، اللہ کی عنایت اور توجہ بڑی عجیب وغریب ہے۔

(۷) تو اتر آ میری مدد کے لیے:

اپنا ایک قصہ سناتا ہوں- بے فائدہ- ابھی میں ایک مشکل میں پھنس گیا تھا، تو بچوں جیسی باتیں کرنے لگا، میں نے کہا: ''اللہ یہ میرے بس کا تو ہے نہیں، تو ہی اس کو سنبھال لے تو اتر آ میری مدد کے لیے۔'' یہ جملہ کہ "تو اتر آ" بچکانہ باتیں ہیں، یہ بات ہوگئی۔ اب کام میں کرتا اس میں کوئی رخنہ لگ جاتا، میں چل رہا ہوں اِدھر کو، منہ میرا پھیر دیا گیا اُدھر کو، کہیں بیٹھ رہا ہوں تو اٹھالیا، کہیں اٹھالیا، تو کہیں بیٹھادیا، یا اللہ! میں کیا کروں؟ لیکن ٹوٹے پھوٹے

بات وہیں پہنچ گئی، جو میری ضرورت کو پوری کررہی تھی، اور کام خود بخود بنتا چلا گیا۔ اپنے رب کو مانو! اپنے رب سے گڑگڑاؤ! ان کے سامنے روؤ! ان کے سامنے اپنی پیشانی زمین پر رکھ کر روؤ! پھر دیکھو! وہ تمہیں چھوڑ دے گا؟ ایسا نہیں ہوگا۔

(۸) استغفار کا وقت:

ہاں شرط یہ ہے کہ ایمان و استغفار کا وقت گزر جانے کے بعد نہ ہو، استغفار کا وقت ہونا چاہیے، وہ کیا ہے؟ مرنے کی گھڑی آنے سے پہلے توبہ کرلی جائے، "وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ، حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْئٰنَ" ان لوگوں کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے جو گناہ کرتے رہتے ہیں اور جب موت آتی ہے تو کہتے ہیں: أستغفر اللہ (سمجھ میں آیا؟) ابھی آپ لوگوں کی مہلت کے دن پڑے ہوئے ہیں، جھک جاؤ اس کے سامنے! اور اپنی پیشانی مٹی پر ڈال دو! جب تمہاری پیشانی عزیز حکیم کے سامنے ذلت کے مقام میں پڑ جائے گی، تو عزت والا اپنی عزت سے تمہاری ذلت کو تبدیل کردے گا، تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ اس غفلت کو ختم کرنے کی بہت ضرورت ہے، اللہ کی طرف جھکنے کی بہت ضرورت ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو راضی کرنے کی بہت ضرورت ہے، سمجھ میں آرہا ہے؟

(۹) میں کوئی واعظ نہیں:

سمجھئے! میں کوئی واعظ نہیں ہوں، اس وقت یہ جو کچھ بیان ہوا، میں ابھی یہی دعا مانگ رہا تھا، اے اللہ! ایسی بات کہلوا دے جو مجھے مفید ہو، حاضرین کو مفید ہو، طالبین کو مفید ہو، سب کو برابر فائدہ پہنچے، یہ توبہ واستغفار ایسی ہی چیز ہے، سب کے لیے اس میں فائدہ عام ہے۔ تخصیص ہے تو ایک قاعدہ کے تحت ہے، گناہ کرتے رہے اور مرتے وقت کہتے ہیں تب یہ شخص تائب نہیں ہے،

تائب کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر اس سے گناہ ہوگیا تو توبہ کرتا ہے، اللہ کو راضی کرتا ہے، آپ لوگ اللہ کو راضی کریں اور اس کو خوش کرنے کی کوشش کریں، وہ بہت جلدی راضی ہوجاتا ہے۔

❁إن لم تكن "أحمد" كن "أبا الهيثم"❁

(اگر تم امام احمد بن حنبل نہیں، تو ابوالھیثم ہی بن جاؤ)

عبداللہ بن احمد بن حنبل فرماتے ہیں: میں نے کئی مرتبہ اپنے والدِ محترم امام احمد بن حنبل کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

اللهم اغفر لأبي الهيثم، اللهم ارحم ابا الهيثم (اے اللہ ابوالھیثم کی مغفرت فرما، اے اللہ ابوالھیثم پر رحم فرما)

تو میں نے اپنے والد سے کہا: ابا جان! یہ ابوالھیثم کون ہیں؟

آپ نے فرمایا: یہ ایک بدوی شخص ہیں، میں نے اس کا چہرہ تک نہیں دیکھا، جس رات مجھے کوڑے لگائے گئے، اس سے پہلے والی رات میں لوگوں نے مجھے ایک تاریک کوٹھری میں رکھا، تو اچانک ایک شخص نے مجھے پاؤں مار کر کہا: کیا تم ہی احمد بن حنبل ہو؟

میں نے کہا: ہاں!

اس نے پوچھا: کیا تم مجھے جانتے ہو؟

میں نے کہا: نہیں!

تو اس نے کہا: میں ابوالھیثم ہوں، میں چور ہوں، شرابی ہوں، لٹیرا ہوں، حاکم وقت کے دفتر میں یہ بات درج ہو چکی ہے کہ مجھے مختلف اوقات میں ۱۸۰۰۰ رکوڑے لگائے گئے، اور میں نے ان تمام کوڑوں کو اپنے شیطانی کرتوت کی پاداش میں برداشت کیا ہے، تو اے احمد! تم بھی اللہ کے راستے میں کوڑوں کو برداشت کرلینا۔

چناں چہ جب لوگوں نے مجھے باندھ دیا، اور کوڑے لگانا شروع کیا، تو جب بھی میری پشت پر کوڑا پڑتا، تو مجھے ابوالھیثم کی بات یاد آتی، اور میں اپنے جی میں کہتا کہ اے احمد! اللہ کے راستے میں صبر کرلو!

پیغام: اگر تم احمد بن حنبل نہیں بن سکتے، تو ابوالھیثم ہی بن جاؤ!

حق سے محبت کرو، اگر چہ تم باطل میں مبتلا ہو۔

صالحین سے محبت کرو، اگر چہ تم معصیت میں مبتلا ہو۔

شیطان کتنا ہی تم کو وسوسہ میں ڈالے، تم اللہ کے ہوکر رہو۔

ہمارے حضرت الشیخ کی چند صفاتِ حمیدہ

مولانا عبد السلام الخطیب بھٹکلی ندوی

(استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

حضرت الشیخ مولانا محمد یونس صاحب جونپوری ثم السہارنپوری علیہ الرحمۃ نے علم و مطالعہ اور درس وتدریس اور افادۂ عام کے لیے اپنے آپ کو جیسے وقف کر دیا تھا، علم اور خاص کر علم حدیث آپ کی پہچان اور علامت بن گئی تھی، آپؒ کی قیام گاہ چہار جانب کتابوں سے اس طرح مزین کہ لگتا تھا دیواریں بھی کتابوں سے اٹھائی گئی ہیں، ہر طرف کتابیں وہ بھی اہم مراجع ومصادر کی بڑی قیمتی، کئی کئی جلدوں پر مشتمل، جن کا خریدنا اور جمع کرنا بھی ہر ایک کے بس کی بات نہیں اور نہ ہر ایک کے لیے ضروری ہے، چہ جائے کہ اس کا مطالعہ اس سے استفادہ اور اس پر تبصرہ وتعلیق، یہ تو اچھے اچھوں سے ہونہیں پاتا، چاہے وہ برسہا برس سے مدارس سے جڑا رہا ہو، درس وتدریس کے مقدس پیشے سے وابستہ ہو اور تلامذہ کی ایک بڑی تعداد اس سے مستفید ہو چکی ہو اور اس کی طرف اپنا انتساب کرتی ہو۔

اس کے لیے تو ہمارے حضرت الشیخ جیسا فنا فی العلم انسان ہی چاہیے، جس کی رہبری اس کا پروردگار کر رہا ہو، جس کے لیے علم اور مطالعہ صرف ذوق وشوق نہیں، بلکہ عبادت اور روحانیت کے اعلیٰ درجات کے حصول کا ذریعہ ہو، جس کا صرف دل ودماغ ہی نہیں، بلکہ اس کا جسم اور اس کا مزاج بھی کتابوں اور مطالعہ سے وابستہ ہو گیا ہو۔

اس مبتدی طالب علم کو دار العلوم ندوۃ العلماء سے فضیلت فی الحدیث کی تکمیل اور یہاں کے تدریسی نظام سے وابستہ ہونے سے پہلے چند ماہ کے لیے حضرت الشیخ کی خدمت میں حاضری، آپ کے دروس میں شرکت آپ کی آرام گاہ کے قریب والے کمرہ میں جو

کتابوں سے بھرا ہوا ہے، اس میں قیام اور حضرت والا کو اپنے قیام کے زمانے میں فجر کی نماز پڑھانے کا موقع ملا، اور حضرت الشیخ کی خدمت میں ایک دو دن کے لیے حاضری کا تو انتقال سے چند ماہ پیشتر تک اللہ نے محض اپنے فضل وکرم سے موقع عنایت فرمایا، یہ بس اللہ کا خصوصی فضل واحسان کہ ندوہ سے فراغت کے بعد جب کہ اسی وقت یہاں کے تدریسی نظام سے جڑنے کے لیے کہا جارہا تھا۔

اور یہ ہم جیسے مبتدی طالب علموں کے لیے بڑی سعادت وافتخار کی بات تھی کہ دل میں ایک ایسا زبردست داعیہ پیدا ہوا کہ حدیث کے موضوع پر حضرت الشیخ سے؛ پہلے کچھ استفادہ کرلیا جائے اور اس کے بعد کچھ اور سوچا جائے جب کہ اس وقت تک مجھے کبھی مغربی یوپی اور وہاں کے بڑے مرکزی اداروں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کو دیکھنے تک کا موقع نہیں ملا تھا، اور حضرت الشیخؒ کی بھی ندوہ میں ایک مرتبہ سرسری سی زیارت ہوئی تھی، اور ہم اہل بھٹکل کا تعلیمی اور تربیتی تعلق بھی تمام دینی اور علمی اداروں سے محبت اور ان کی عظیم خدمات کے اعتراف کے باوجود عملاً صرف ندوہ ہی سے رہا، اس سلسلے میں ہمارے مربیٔ خصوصی داعیٔ اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ الحسنی الندویؒ نے بھی بڑی ہمت افزائی ورہنمائی کی، ان کو حضرت الشیخ سے بڑی محبت وعقیدت کا تعلق تھا، اور حضرت کو بھی مولانا عبداللہ حسنی صاحب سے بڑی محبت ومناسبت، بہرحال اس مدت میں جو تھوڑا بہت سننے اور اپنی ڈائریوں یا کاپیوں میں نوٹ کرنے کا موقع ملا اس کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی چند صفات حمیدہ کا مختصر سا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

تعلیم وتعلّم:

یہ حضرتؒ کی پوری زندگی کا خلاصہ وماحصل ہے کہ جب سے حصول علم سے وابستہ

ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ظاہری اسباب کے بالکل نہ ہونے کے باوجود بھی اسی سے جوڑے رکھا، پوری زندگی اسی میں گزار دی، رات دن اسی کا معمول اور یہی مشغلہ، یہی عبادت، اسی سے تزکیہ و احسان کے مراحل کا طے کرنا، جب دیکھئے کتاب ہاتھ میں لئے یا تپائی پر رکھے مطالعہ کر رہے ہیں، اور اطراف میں کتابیں ہیں، اور پھر اپنے تلامذہ کو مستفید کرنا، جب درجہ میں تشریف لاتے تو پھر علم کا سمندر بہنے لگتا، شیخ کی مرتب تدریس کہ آپ فرماتے رہیں اور ہم لوگ سنتے رہیں، جب تک حضرت والا کی صحت قابلِ تحمل رہی ایسا ہی درس جاری رہتا اور اس میں نت نئے علمی، تحقیقی نکات بیان کیے جاتے رہتے کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوتا۔

تحقیق و تتبع:

آپؒ کے مزاج میں تحقیق کا مادہ تھا، شراح و محققین میں سے کسی ایک کے نقل کرنے پر کلی اعتماد کر کے نہ بیٹھ جاتے یا اپنے اساتذہ و مشائخ کی بات کو حرفِ آخر سمجھ کر اُس سے آگے قدم بڑھانے کو بے ادبی اور حصولِ علم سے محرومی کا سبب نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ان سے محبت ان کی قدر اور ان کے پورے احترام کے ساتھ صحیح بات اور حق کی تلاش میں لگے رہتے، اس کے لیے یہ کوشش کرتے رہتے کہ فلاں نے یہ بات لکھی ہے یا نقل کی ہے، تو انھوں نے کہاں سے نقل کیا، انھوں نے فلاں کتاب سے لی تو اس کتاب میں کہاں سے آ گئی ،اس کا تتبع کرتے، پھر کہیں نقل کرنے میں یا اُن حضرات کے سمجھنے میں کوئی غلطی تو نہیں ہو گئی، تو اس کی تحقیق کرتے، اور صحیح بات اور صحیح نتیجہ تک پہونچنے کی حتی الامکان کوشش کرتے، اس میں کبھی اپنے مشائخ یا متقدم علماء پر ایک طرح کا نقد یا اعتراض بھی ہو جایا کرتا، جس کو بعض کم علم یا ظاہر بیں حضرات سوء ادب پر محمول کرتے، جب کہ وہ دراصل حق کو ظاہر و واضح کرنے کی کوشش ہوتی، والحق أحق أن يُتّبع شیخ تو اپنی محبوب اور بڑی محسن کتاب فتح الباری کے

بارے میں جو کہ اچھے اچھے فاضل و محقق علماء کے لیے مرجع اور حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے، فرمایا کرتے تھے ''میں سب باتیں فتح الباری [۱] سے بیان نہیں کرتا ہوں، بلکہ چُنتا ہوں اس لیے قدر کرنا چاہیے۔''

جذبات نہیں، نقل:

اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا کہ ''میں کوئی بات کہتا ہوں تو نقل کی بنیاد پر کہتا ہوں، جذبات کی بنیاد پر نہیں۔'' اسی طرح فرمایا کہ ''جب ہم کسی کا وہم بیان کرتے ہیں، تو اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ آدمی اس کے وہم میں مبتلا نہ ہو، یہ نہیں کہ کسی کی تحقیر مراد ہے، کسی کی غلطی اس لیے بیان نہ کی جائے کہ اس نے غلطی کی ہے، بلکہ اس لیے کہ دوسرے اس میں مبتلا نہ ہوں، ائمہ پر تحقیق کے لیے اعتراض کوئی بات نہیں، لیکن اگر تنقیص کی نیت سے کی جائے تو اچھی بات نہیں ہے، اسی طرح ایک مرتبہ اپنے تعلق سے فرمایا کہ ''جب میں بڑوں کی کسی بات پر اعتراض کرتا ہوں تو نیتِ اعتراض سے پرہیز کرتا ہوں اللہ سے ڈرتا ہوں صرف تحقیق کی نیت سے بتاتا ہوں۔'' احادیث احکام کی تشریح میں اختلافاتِ ائمہ کو عام طور پر بیان کیا جاتا ہے، شیخ فرماتے تھے کہ ''اختلافاتِ ائمہ اس لیے بیان کیے جاتے ہیں کہ عادت پڑی ہوئی ہے اور مشائخ بیان کرتے تھے، ائمۂ اربعہ کے اقوال اس لیے بیان کئے جاتے ہیں تاکہ کچھ تسہیل ہو، اور بھئی ہم تو تراجم کو سمجھانے کے لیے بتاتے ہیں، بہرحال ائمہ کے اقوال سے تسلی ہوتی ہے۔''

بہرحال شیخ کا مزاج تھا تحقیق و تتبع کا، بسا اوقات کسی حدیث یا اس کے صحیح مقصود تک پہنچنے کے لیے سالوں محنت کرتے، لگے رہتے، اور مختلف کتابیں کھنگال کر صحیح نتیجہ تک

---

[۱] الیواقیت میں ایک مضمون خاص اہل علم و حدیث کے مطالعے کا ہے، مسامحات ابن حجر فی فتح الباری وغیرہ۔ ط۔س۔

پہنچنے کی کوشش کرتے، آپ فرمایا کرتے تھے ''کسی کا اجتہاد نص کے خلاف اس کے حق میں تو معذرت بن سکتا ہے دوسروں کے حق میں نہیں۔''

تنقید و تبصرہ:

اسی طرح شیخ کا مزاج خالص علمی تھا، اور جن کا مزاج و ذوق علمی ہوتا ہے خاص کر فن اسماء الرجال اور جرح و تعدیل وغیرہ کی کتابوں سے واسطہ پڑتا ہے، تو ان کو تنقید و تبصرہ کرنا پڑتا ہے کھرے کھوٹے کی تمیز کرنی اور اس کو دیانۃً اپنے تلامذہ و شاگردوں کو بتانا پڑتا ہے، بعض محدود ذہن والے اس کو ہضم نہیں کر پاتے، ہمارے حضرت الشیخ بھی گاہ بگاہ اپنے دروس یا مجلس میں بقدر ضرورت اس طرح کی باتیں فرماتے رہتے تھے، اور اس کو علمی دیانت سمجھتے تھے، ایک مرتبہ فرمایا کہ ''میں دیانۃً اچھی طرح پڑھانا چاہتا ہوں اور اس قول کو تو بار بار نقل کرتے تھے کُلّ یؤخذ و یترک من قوله و فعله إلا رسول الله ﷺ اور اس فن میں جن علماء کی کتابوں سے فائدہ پہنچا، ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ''مجھے نقد حدیث میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ، امام ذہبی، علامہ ابن القیمؒ، ابن عبدالہادیؒ، ابن رجبؒ، اور ابن حجرؒ وغیرہ کی کتابوں سے فائدہ پہنچا، دو سال قبل ۱۴/ اگست ۲۰۱۵ء کو سہارنپور حضرت والا کی خدمت میں ایک دو دن کے لیے حاضر ہوا تھا، تو علامہ ابن تیمیہؒ کی کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے امام ذہبی کی کتابیں خصوصاً ان کی میزان الاعتدال، ابن رجبؒ و ابن عبدالہادیؒ کی کتابیں، علامہ ابن القیمؒ کی کتابیں، خاص کر زاد المعاد اسی طرح علامہ زیلعیؒ کی نصب الرایۃ اور ابن کثیرؒ و ابن حجر العسقلانیؒ کی کتابوں کا تذکرہ کرتے کرتے اپنے اس مبتدی شاگرد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ شاید تم ان سے فائدہ اٹھاؤ'' ایک مرتبہ تخریج احادیث کے لیے امام زیلعیؒ کی نصب الرایۃ، حافظ صاحب کی الدرایۃ اور البدر المنیر

دیکھنے کے لیے کہا اور دین کی ابتدائی اور عمومی معلومات کے تعلق سے فرمایا کہ مشکوٰۃ المصابیح دیکھ لی جائے اور علمی و تفصیلی معلومات کے لیے فتح الباری۔

نقد و تحقیق، نہ کہ تنقیص:

۲۰۱۵ء ماہ اپریل کے ایک سفر میں حاضری کے موقع سے ارشاد فرمایا کہ "میری حدیث کی سندیں شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ مولانا اسعد اللہ صاحبؒ، مولانا منظور صاحبؒ سہارنپوری اور دوسرے اساتذۂ مظاہر علوم سے ہے۔ اور حدیث کے معانی ومفاہیم کی اسانید تو علامہ ابن تیمیہؒ، ابن عبد الہادیؒ، ابن رجبؒ ابن کثیرؒ، ذھبیؒ، ابن حجر عسقلانیؒ، امام زیلعیؒ اور ابن دقیق العیدؒ وغیرہ کی کتابوں سے ہے۔" نیز فرمایا کہ ابن عبد الہادیؒ کی کتابیں کم ہیں لیکن اس میں بہت سی اچھی چیزیں ملیں۔" ان حضرات کی کتابوں کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کے یہاں علمی تنقید کا کیسا رنگ ہوتا ہے، اسی لیے حضرت الشیخ ان حضرات کی تعریف بھی کرتے رہتے تھے کہ ان حضرات کے یہاں عقیدت ومحبت میں غلو نہیں تھا، اور علمی تنقید کو خلاف عقیدت واحترام نہیں سمجھا جاتا تھا، یہی حال ہمارے حضرت الشیخ کا تھا کہ تنقید وتبصرہ کو عقیدت ومحبت کے خلاف نہیں سمجھتے تھے، کہیں کسی قول کورد کرتے ہوئے کسی کی تحقیق پر سخت نقد کیا، تو دوسری مرتبہ کسی موقع پر ان کی تعریف بھی کردی، ایک مرتبہ اپنے ایک شاگرد کا واقعہ سنایا کہ وہ اپنے استاذ یعنی حضرت الشیخؒ پر سخت ناراض ہوئے اور حضرت بھی ان پر، پھر دس سال بعد ان کا خط آیا کہ آپ بزرگوں پر رد کرتے تھے، اس پر میں ناراض ہوتا تھا، لیکن اب معلوم ہوا کہ آپ حق پر تھے، اس لیے آپ مجھے معاف فرمائیں، میں نے جواب میں لکھا کہ میں نے تمھیں معاف کردیا، لیکن تمھیں علم نہیں آئے گا کہ میں تنقید کرتا تھا تحقیق کی وجہ سے نہ کہ تنقیص کی وجہ سے، ہمارے دل میں ان کا احترام رہتا ہے۔

وسیع النظر فی:

اسی طرح کتابوں اور شخصیات پر آپ کے تبصرے بھی بڑے وقیع ہوتے تھے، صاحب کشاف جن کا شمار ائمہ معتزلہ میں ہوتا ہے، ان کے بارے میں ایک مرتبہ فرمایا ''لغت، نحو، صرف، بلاغت اور حدیث کے امام تھے، غریب الفاظ الحدیث پر بڑی نظر تھی، پھر فرمایا معتزلی تھے، لیکن ان کے علم اور مہارت و براعت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اور صرف اعتزال کی بنا پر ان کو چھوڑنا اور ان کے علوم سے استفادہ نہ کرنا مناسب نہیں ہے۔

امام نووی، قاضی عیاض اور ابن قدامہؒ:

مشہور محدث وفقیہ اور شارح مسلم علامہ نووی کے بارے میں فرمایا کہ ''اللہ نے ان میں بڑی برکت رکھ دی تھی، بڑے ہی زاہد و متقی، ان کی عبارتیں آسان ہوتی ہیں، اور ان میں تسلسل پایا جاتا ہے، مختصر سی عبارت میں تمام مطالب اور ضروری باتیں بیان فرماتے ہیں، لیکن قاضی عیاضؒ ان سے فائق ہیں، اور کبھی کبھار امام نوویؒ اپنی عبارت میں پورے مطالب پیش نہیں کر پاتے تو قاضی عیاض کی عبارت نقل کر دیتے ہیں، اسی طرح قاضی عیاضؒ کے بارے میں فرمایا کہ ان کا علم اور اسلوب بہت بلند ہے، اور فرمانے لگے کہ کیسے بلند معانی اخذ کرتے ہیں، سیرت رسول ﷺ پر لکھی گئی ان کی کتاب الشفاء کی بڑی تعریف کی اور مجھے اس کے مطالعہ کا بھی حکم دیا۔

فقہ حنبلی بلکہ فقہ اسلامی کی ممتاز کتاب ''المغنی'' کے مصنف علامہ موفق بن قدامہؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ فقہ وحدیث پر ان کی بڑی نظر ہے، اور باریک باریک مسائل کا بھی اچھا استحضار ہے۔

امام شافعی، احمد و اسحٰقؒ:

ایک مرتبہ اس عاجز کی حاضری کے موقع سے امام شافعی کی جلالتِ شان، علمی مقام، لغت و ادب پر عبور کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ امام صاحب اگر کوئی بات بغیر دلیل بھی کہیں تو لوگ خاموش ہوجاتے ہیں، اور اس کا توڑ مشکل ہوجاتا ہے، پھر فرمایا کہ آپ اصیل النسب او رعالی الھمہ تھے عرب کے صحرا و بادیہ میں جاکر اصل عربی زبان کی تحصیل کی تھی، اس کے بعد اپنے خاص انداز میں ارشاد فرمایا: لیکن حدیث میں امام احمدؒ اور اسحاق بن راہویہ کا پایا ان سے بلند تھا، اور محدثین اس سلسلہ میں کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے۔

میرے امام بخاری ہیں:

فروری ۲۰۱۴ء کی ابتدائی تاریخوں میں ایک دو دن کے لیے حضرت الشیخ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا، حضرت کی طبیعت ناساز چل رہی تھی اور ٹھنڈک بھی زیادہ محسوس ہورہی تھی تو اپنے اس مبتدی شاگرد کو کمرے ہی میں چند شاگرد و خدّام کی موجودگی میں جمعہ پڑھانے کا حکم دیا، مختصر خطبہ اور نماز کے ذریعہ حکم کی تعمیل کی گئی، اس کے بعد ہم لوگ وہیں بیٹھ گئے، تو باتوں باتوں میں اپنے اس مبتدی شاگرد سے محبت و تعلق کی وجوہات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمھاری قراءت مجھے بہت پسند ہے، تمھارے قرآن پڑھنے سے دل لگتا ہے اور دوسری وجوہات کے ساتھ ایک عجیب وجہ یہ بیان فرمائی کہ اور تم شافعی ہو اگر میں کسی امام کی مکمل تقلید کرتا، تو امام شافعی کی کرتا لیکن میرے امام تو محمد بن اسماعیل البخاری ہیں۔

حضرت شیخ، علامہ شبلیؒ:

اپنے محسن استاذ و مرشد شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ کا تذکرہ

کرتے ہوئے فرمایا کہ ''حضرت شیخ میں عبدیت اور عشق رسول ﷺ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اوپر سے بات آتی تھی۔

ہمارے حضرت الشیخ علامہ جونپوریؒ کو علامہ شبلیؒ سے بھی بڑی محبت تھی علامہ شبلیؒ کن راستوں کو طے کرتے ہوئے درِ رسالت ﷺ کی چوکھٹ پر آ کر پڑ گئے تھے، اس سے بھی آپ خوب واقف تھے:

خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا	مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبر خاتم

اور قرآن مجید کے بتائے ہوئے قانون {إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ} پر نظر تھی اس لیے آپ علامہ شبلیؒ کے بڑے قائل اور سیرت النبی ﷺ کے بڑے مدّاح تھے، آپ فرماتے تھے کہ سیرت النبی ﷺ میں علامہ شبلیؒ کا اخلاص نظر آتا ہے، اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا کہ ''علامہ نے دفاع عن الرسول کے لیے لکھی تھی اس لیے بہت چلی، علامہ ایک نئے اسلوب کے بانی تھے، اور دوسرے حضرات ان کے شاگرد و مقلّد، ریزہ ریزہ کو چن کر جمع کرتے ہیں، ذہن تخلیقی تھا، ادبی اسلوب میں ایجاز کے ساتھ لکھتے ہیں۔

سید سلیمان ندویؒ:

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے بارے میں ارشاد فرمایا، سید صاحب صرف عالم ہی نہیں علامہ تھے، اسی کے ساتھ تصوف کا ایک زبردست حصہ عطا فرمایا گیا تھا، سید صاحب میں بندگی اور عبدیت جھلکتی ہے، بقدر ضرورت الفاظ کا استعمال اور معانی بھر پور، کتابوں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتے ہیں، احادیث پر اچھی نظر ہے بڑے ذی علم متواضع اور اخلاقِ عالیہ کے حامل تھے۔

اپنے ایک سینیر دوست اور فقیہ الاسلام مفتی مظفر حسین صاحبؒ کے چھوٹے بھائی مولانا اطہر حسین صاحبؒ جو عربی کے بڑے اچھے ادیب وشاعر تھے بڑے متواضع اور خلوت پسند ان کے بارے میں فرمایا[۱] بڑے ہی صائب الرائے مخلص اور صاحب فراست تھے، تعبیرِ خواب میں بڑی مہارت تھی، اس طرح کے ہمارے حضرت الشیخ کے تبصرے بہت ہیں، جس کے لیے خود ایک کتاب درکار ہے۔

اسی طرح بڑی بڑی اہم کتابوں پر آپ کے جو دو تین جملے میں تبصرے ہوتے تھے، گویا عطر کشید کر دیتے اور وہ کتاب جو کسی بڑی کتاب کو سامنے رکھ کر یا دو ایک کتابوں کے خلاصہ کے انداز میں لکھی گئی ہو اس پر بھی ایک دو جملوں میں زبرست ریمارک کر دیتے تھے۔

......تو تقریب نہ ہوتی:

بخاری کی ایک شرح کے بارے میں جو خاصی مقبول ومتداول ہے، فرمایا کہ انھوں نے دو بڑی شرحوں کو سامنے رکھ کر لکھا ہے، لیکن جہاں انھوں نے غلطی کی ہے وہاں یہ بھی ٹھوکر کھا گئے ہیں، امام ابن حجرؒ کی تقریب کے بارے میں فرمایا کہ امام مزّیؒ کی کتاب نہ ہوتی تو تقریب کا وجود نہ ہوتا، اپنے محبوب محقق اور بخاری شریف کے عظیم شارح علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کے تعلق سے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا ”ابن حجر پوری دنیا پر حاوی نہیں تھے لیکن کام بہت کیا ہے۔“

تصحیح وتنبیہ:

حضرت الشیخ کی ایک اہم صفت یہ تھی کہ آپ اپنے تلامذہ ومتعلقین کی اصلاح و

---

(۱) درس میں ایک بار فرمایا: مولوی اطہر کی حس بہت تیز تھی۔ ہم دونوں ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے، ایک دم سے ٹھہر گئے۔ مجھے بھی روک لیا، تھوڑی دیر میں اوپر سے پانی گرنے لگا۔ کہتے تھے ربنا اٰتنا الخ رجسٹرڈ دعا ہے۔ ط۔س۔

تربیت کے لیے ان کی غلطیوں پر تنبیہ فرما کر ان کی تصحیح و اصلاح بھی فرماتے رہتے تھے، حدیث کی عبارت جب آپ کے سامنے پڑھی جائے، تو آپ خطیبانہ اور مغنیانہ انداز دونوں کو ناپسند فرماتے تھے، فوراً کہتے کہ بھائی جلدی جلدی نرمی کے ساتھ پڑھو! اسی طرح عبارت پڑھتے پڑھتے طالب علم غلطی کر جائے، اور حضرت اس پر تنبیہ نہ کریں؛ یہ ہو نہیں سکتا تھا، فوراً متنبہ کرتے اور پھر اس کی تصحیح کرتے کہ یوں پڑھیے، اسی طرح جو آپ کی خدمت میں رہتے، ان کی اچھی تربیت ہو جاتی تھی، بسا اوقات ایک بٹن کی جگہ دوسرا بٹن دبا دیتا تو ڈانٹ پڑتی، کتابوں کو بھی ایک ترتیب اور سلیقے سے نکالنا اور رکھنا پڑتا تھا، اس میں ذرا سی غفلت ہوگئی تو پھر خاصی گرفت ہو جاتی، بسا اوقات کپڑے [1] پہننے اور اٹھنے بیٹھنے کے انداز پر بھی تنبیہ فرماتے اور اس کا صحیح طریقہ بتاتے، ایک مرتبہ اپنے طلبہ سے مخاطب ہو کر تنبیہی انداز میں فرمایا: ''اپنے آپ کو چھوٹا سمجھو، اپنے بڑوں کا احترام کرو، اگر ان سے کسی وجہ سے محبت نہیں تو بے ادبی نہ کریں، ہر ایک سے محبت نہیں ہوتی، اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا'' اگر استاذ سے موافقت نہ ہو تو سکوت اختیار کیجیے'' اسی طرح ایک مرتبہ متنبہ کرتے ہوئے فرمایا'' نیت صحیح کرلو ورنہ جیسے آؤ گے ویسے ہی جاؤ گے اور اس کا بدلہ جلد دیکھ لو گے۔''

تنوع وتوسع:

حضرت والا کا مطالعہ بڑا متنوع تھا، اصلاً تو آپ کا موضوع حدیث وعلومِ حدیث اور اس میں بھی اصل اوڑھنا بچھونا صحیح بخاری اور اس سے متعلق علوم کی کتابیں تھیں، لیکن

---

(۱) میں ایک مرتبہ جمعہ کے دن عمدہ کپڑے پہنے ہوئے حضرت شیخ یونس صاحبؒ کی خدمت بابرکت میں = حاضر ہوا تو اپنے مخصوص انداز میں دیکھ کر فرمایا: تجھے اچھے کپڑوں کا بہت شوق ہے۔ ہمیں تو کبھی اپنی طالب علمی میں اچھے کپڑے نصیب ہوئے، نہ مجھے اس کا شوق تھا۔ ط۔س۔

آپ نے فقہ، اصول فقہ، ادب، شعروشاعری، تاریخ تفسیر، اصول تفسیر، سیرت وسوانح، نحو وصرف، علم کلام، عقائدِ ملل وفِرق وغیرہ سے متعلق چیزوں اور اس کی اہم کتابوں کا خوب مطالعہ کیا تھا، اور اکثر موضوعات کی اہم اور اصولی کتابیں آپ کی ذاتی لائبریری میں موجود تھیں، مدارس وجامعات کے ترجمان ماہانہ رسائل کے مصنفین اور مؤلفین کی طرف سے ارسال کردہ کتابوں پر ایک نظر ڈال لیتے تھے، اچھے ممتاز شعراء کے اشعار بھی خوب یاد تھے ،جن کو حسبِ موقع وضرورت پڑھتے بھی رہتے تھے، ایک مرتبہ فرمانے لگے ''میں درمیان درمیان میں اشعار پڑھتا ہوں تو تم لوگ کہتے ہو کہ یہ کیا بات ہے، یہ تمھاری جہالت ہے، ورنہ ہم تو طالب علمی کے دور میں بھی اس طرح کی دلچسپیاں رکھتے تھے، علامہ اقبالؒ کے اشعار پڑھتے تھے، میں علامہ اقبالؒ، جوشؔ، غالبؔ وغیرہ کی کتابیں دیکھتا تھا، ملفوظات پڑھتا تھا ،مثنوی سے بہت محبت تھی، لیکن طالب علمی کے دور میں نہیں ملی ذرا ذرا وقت نکال کر اس طرح کی کتابیں پڑھتے رہنا چاہیے۔''

اسی طرح آپ کے علمی وعملی مزاج میں توسع تھا، طبیعت تو بڑی نازک پائی تھی، اور مستقل امراض نے تو اور نڈھال کردیا تھا، مزاج کے خلاف ذراسی بات بھی بارِ خاطر ہوجاتی، لیکن علماً وذھناً مزاج وفکر میں بڑا توسع تھا، اور عملی زندگی (۱) میں بھی موقع بموقع احادیث کی روشنی میں اس پرعمل پیرا ہوتے۔

جب کہ آپ جس مدرسہ سے تعلیمی وتدریسی طور پر وابستہ ہوئے اور جہاں سے وابستگی نے دنیا کے ظاہری اسباب میں آپ کے نافع ہونے اور آپ کے فیوض علمی وروحانی کے

---

(۱) مولانا منور حسین صاحب سورتی دام مجدہم نے سنایا کہ ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا: جن احادیث کا تعلق عمل سے ہے وہ اگر میرے مطالعے سے گزریں تو کم از کم ایک مرتبہ تو میں نے ان پر عمل کر ہی لیا۔ ط۔س۔

دور دور تک پہنچنے کا سبب بنی، اس کا ایک علمی واعتقادی وعملی طریق کار ہے، جس کا وہاں کے بزرگوں نے ہمیشہ لحاظ رکھا۔

ہمارے حضرت الشیخ بھی اس سے بالکل الگ تھلگ نہیں تھے، لیکن حدیث سے خصوصی تعلق اور اس کے مطالعے نے آپ میں وسعتِ علمی کے ساتھ توسع عملی بھی پیدا کر دیا تھا، ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ "میں نے اپنا علم حضور ﷺ کے آئینہ سے حاصل کیا ہے، نہ میں شافعی ہوں نہ کوئی اور ۔۔۔۔۔۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ عبدالسلام اور اس کی برادری (یعنی اس وقت کے شافعی طلبہ) مجھے شافعی سمجھتی ہے۔

میں تو حنفی ہوں:

ایک مرتبہ میری ایک دو دن کی حاضری کے موقع سے اپنے درجہ میں تلطفاً فرمایا "گذشتہ سال ایک عبدالسلام بڑا متعصب شافعی تھا، تمام حنفیوں کو دبائے رکھتا تھا، اس لیے کہ اس کے پاس حدیث کے دلائل بہت تھے، میرے بارے میں بھی شافعی ہونے کا گمان رکھتا تھا، تو میں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ بھئی! میں تو حنفی ہوں، لیکن حدیث کے آگے پیچھے رہتا ہوں، اسی پر عمل کرتا ہوں جہاں نہ ملے وہاں احناف پر عمل کرتا ہوں۔ (مزاحاً متعصب فرمایا ہوگا ورنہ ہم لوگ مسلکی سختی کو پسند نہیں کرتے بلکہ احناف وغیرہ کی مساجد میں ان ہی کے نظام وترتیب کے مطابق عمل کرتے ہیں اور خاص کر برِ صغیر میں حنفی مسلک کو اصل اور احناف کو اپنا بڑا بھائی سمجھتے ہیں)

حضرت نے حنفی ماحول میں پرورش پائی تھی، حنفی فقہ پڑھی، فقہِ حنفی واصولِ فقہِ حنفی پڑھی بھی ہیں، اور پڑھائی بھی، لیکن یہ سب باتیں حضرت والا کے لیے کوئی بہت اہمیت کی حامل نہیں

تھیں کہ مسلک کی تعیین کر کے حرف بحرف اس پر عمل کیا جائے، اور اس پر سختی کی جائے بلکہ آپ کا مسلک بقول آپ ہی کے ”میں خاندانی حنفی ہوں، لیکن جوّال سیّال ہوں۔“

اسی طرح ایک مرتبہ لباس کے بارے میں فرمایا: ”میں لباس وغیرہ کے بارے میں مولویت نہیں جانتا بلکہ جو بھی ہو، غیر شرعی نہ ہو اور ہاں چوں کہ ہمارے بلاد میں لمبا کرتا پہنتے ہیں تو اس لیے پہنتا ہوں۔“

محسنین کا تذکرہ اور سادات سے محبت:

حضرت الشیخ اپنے دروس ومجالس میں اپنے محسنین کا بار بار تذکرہ فرمایا کرتے تھے، اپنے خاندانی لوگوں میں اپنی نانی کا جنھوں نے والدہ کی قائم مقامی کی تھی، والد صاحب کی بعض خوبیوں کا اور دوسرے احباب کا تذکرہ فرماتے۔

اپنے اساتذہ میں حضرت کے ابتدائی اور بڑے ہی محبوب استاذ مولانا ضیاء الحق صاحبؒ فیض آبادی کا تو بار بار تذکرہ کرتے تھے کہ میں جو ہوں ان ہی کا فیض ہے، ان ہی کی تربیت، ان ہی کا احسان، اسی طرح مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رامپوریؒ جن کی ہمارے حضرت الشیخ پر خصوصی نگاہ شفقت رہی، فقیہ الاسلام مفتی مظفر حسین صاحبؒ جنھوں نے ہمیشہ حضرت کو ایک شاگرد سے زیادہ چھوٹے بھائی کی طرح رکھا، ان کے کھانے پینے قیام وغیرہ کی فکر کی، اسی طرح مفتی صاحب کے چھوٹے بھائی اور ہمارے حضرت الشیخ کے دوست مولانا اطہر حسین صاحبؒ ان حضرات کو بھی خوب یاد کرتے رہتے تھے۔

اسی طرح اپنے وہ استاذ ومرشد جو کہ اپنے دور کے مرجعِ خلائق تھے، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ جنھوں نے اپنے کئی عزیز شاگردوں ذھین وفطین ذی علم اقربا

ومحبین کی موجودگی میں اپنے اس عزیز شاگرد کو ان کی حدیث سے مناسبتِ تامہ کو محسوس کرتے ہوئے اپنی جگہ مدرسہ کا شیخ الحدیث مقرر کیا تھا، ان کے بھی اقوال وملفوظات کو بیان کرتے رہتے تھے، خاص کر بخاری میں ترجمۃ الباب کے حدیث سے تعلق کو بیان کرتے ہوئے، اسی طرح حضرت شیخ الحدیثؒ کے صاحبزادے، داماد اور اس خانوادے کے تمام افراد سے اخیر تک محبّانہ ومخلصانہ تعلق رہا، اور ان حضرات نے بھی ہمارے حضرت الشیخ کو اپنے خانوادے کا ایک محبوب ومحترم فرد اور اہم مہمان سمجھا، خصوصاً حضرت مولانا طلحہ صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ صاحبزادی حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم وہمشیرہ مشہور محقق ومصنف مولانا نور الحسن راشد صاحب کاندھلوی زید مجدہ اور مدرسہ کے انتظامی اور دوسرے معاملات میں اور حضرت الشیخ کے مہمانوں کے اکرام اور ان کو اپنا مہمان سمجھنے کے تعلق سے اس خانوادے کی ایک ممتاز شخصیت بڑے ہی عقلمند وبردبار، معاملہ فہم اور سنجیدہ عالم دین، ناظم مدرسہ مظاہر علوم حضرت مولانا سید سلمان صاحب سہارنپوری دام ظلہ۔

اسی طرح اپنے ان خاص محسنین کا تو بڑا ذکر فرماتے جن کی کتابوں کا زیادہ مطالعہ رہا۔ ایک مرتبہ فرمایا ''بخاری، ابن تیمیہؒ، ذھبی، ابن حجر ہم نے ان ہی کے دسترخوان پر کھانا کھایا ان ہی کے گیت گاتے ہیں۔

اسی طرح صحیح النسب سادات سے بھی ہمارے حضرت الشیخ بڑا قلبی تعلق رکھتے تھے ان حضرات کا اکرام کرتے ان سے محبت کو دین کا ایک حصہ سمجھتے (لا أسئلکم علیہ اجرا إلا المودّۃ فی القربیٰ) اس سلسلے میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ سے جو محبت وعقیدت تھی، وہ تو بہت مشہور ہے۔ اپنے مدرسہ کا تعلیمی نصاب مکمل کرنے کے بعد ندوہ ضرور تشریف لاتے، حضرت مولاناؒ کے پاس بیٹھتے، حضرت مولاناؒ کی آخری بیماری کے دوران

عیادت کے لیے دو مرتبہ تشریف لائے ، انتقال کی خبر سن کر سخت سردی کہرے اور رمضان المبارک کا آخری عشرہ ہونے کے باوجود تعزیت کے لیے فوراً تکیہ کلاں رائے بریلی پہونچے ،حضرت مولاناؒ کی تصنیفات اور معتدل آراء کے بھی بڑے قائل تھے ،تکیہ کے اس پورے گھرانے سے حضرت الشیخ کو بڑی محبت وانسیت رہی۔

اسی طرح جنید وقت حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ ان کی اولاد واحفاد اوران کے ہتورا، باندہ میں واقع مدرسہ سے بھی بڑا ربط تھا، ہر سال ختم بخاری کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے احفاد مولانا مفتی سید سلمان صاحب منصور پوری اوران کے برادر خورد مفتی سید محمد عفان صاحب منصور پوری سے بھی بڑا تعلق خاطر رہا، اپنے تلامذہ میں بھی سادات میں سے کسی کو دیکھتے ،تو مشفقانہ تنبیہ کے ساتھ ان سے محبت فرماتے اور تو اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحبؒ جو کہ اپنے محبین کے نزدیک کتنے ہی بڑے متکلم اسلام ،مفسر قرآن، سلیس زبان میں اسلامیات کے موضوع پر لکھنے والے بڑے ہی کامیاب اسکالر ہوں ۔لیکن ہمارے حضرت الشیخ جس ادارے سے وابستہ تھے، وہاں اوراس کے قریب کے دوسرے بڑے اداروں کے بہت سے علماء ومشائخ کا موقف مولانا مودودیؒ کے سلسلے میں ذرا سخت اور درشت تھا، لیکن اس کے باوجود میں نے خود اپنے کانوں سے سنا کہ حضرت الشیخ فرمارہے تھے کہ ’’ارے بھائی! وہ تو سید ہیں‘‘ اورایک موقع سے فرمایا کہ ’’وہ تو وہی باتیں لکھتے ہیں جو ہمارے بڑوں نے لکھی ہیں۔‘‘ (یعنی عربی زبان میں تاریخ وتفسیر لکھنے والوں نے) نیز دوسرے اوقات میں کچھ تردیدی باتیں بھی کہیں ہیں۔

تعلق مع اللہ اور اتباع سنت:

یہ دو صفتیں ایسی ہیں کہ اس کے بغیر کوئی اللہ کا محبوب اور ولی نہیں بن سکتا، حضرت الشیخ کی تو پوری زندگی ہی قال اللہ اور قال الرسول میں گزری، تو ان جیسی شخصیات کے بارے میں کیا کہا جائے؟ اللہ کے حضور حاضری کا بڑا استحضار رہتا تھا، ہمیشہ اس کی فکر رہتی کہ کام اخلاص کے ساتھ اللہ کے لیے کیا جائے، اپنے دروس ومجالس میں بھی اس طرف توجہ دلاتے رہتے تھے، آخر آخر میں تو معافی تلافی کی بھی بڑی فکر ہوگئی تھی کہ بڑے دربار میں حاضری صفائی ستھرائی کے ساتھ ہو، جنازے پر اُمنڈ آئی تعداد اور مستقل آپ پر لکھا جانا بھی تعلق مع اللہ ہی کی مضبوطی پر دلالت کرتا ہے۔

طریق سنت بے خطر ہے:

اتباع سنت کی تو ایسی فکر اور حدیث وسنت کو اقوال آخرین پر غالب رکھنے کا ایسا جذبہ کہ جو آپ کے دروس میں خالی الذھن ہو کر بیٹھے، تو وہ عشقِ نبی اور سنتِ رسول ﷺ پر عمل کا جذبہ اور اس کی ہمت لے کر ہی اُٹھے گا، آپ تو ہر ایک کو قرآن مجید کی تلاوت اور مسنون دعاؤں اور مسنون اذکار کے اہتمام کی بڑی تاکید فرمایا کرتے تھے، نمازوں کی سنتوں اور رہن سہن کی سنتوں کے التزام کی بابت بھی ترغیب دیا کرتے تھے، اپنے استاذ ومرشد حضرت شیخ الحدیثؒ کی بات نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ ”حضرت فرماتے تھے طریقِ سنت بے خطر ہے، سنت ہی میں کامیابی ہے۔“

اپنے بارے میں فرمایا کہ ”مجھ کو مجاہدہ نہیں کرنا پڑا جہاں کوئی چیز خلاف سنت دیکھ لی

فوراً چھوڑ دیا'' اسی طرح فرمایا: ''جب ہم حدیث پڑھتے تھے، تو جب بھی عمل کی حدیثیں آتی تھیں، تو عمل کا داعیہ پیدا ہوتا تھا، حضرت امام بخاریؒ سے بھی اسی لیے انتہائی درجہ کی عقیدت ومحبت تھی کہ انھوں نے حدیث رسول ﷺ کو اصل بنایا، اور اسی میں اپنی زندگی، مال اور صلاحیتیں کھپائیں، اور حدیث رسول ہی ان کی علامت اور ان کی زندگی کا جلی عنوان تھا۔''

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آہ حسن عالم افروز! رفتید و لے نہ از دل ما

۱۴۳۸ھ

ہمارے استاذ مخدوم
شیخ مشائخ الحدیث استاذ الاساتذہ عصر حاضر کے مزی وذہبی اور ابن حجر
محدث عصر حضرت اقدس مولانا محمد یونس صاحب جونپوری
شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور الہند۔

(از: مولانا ایوب صاحب سورتی)

جن کو ہم آج تک مدظلہ اور حفظہ اللہ اور دامت فیوضہم وبرکاتہم کہا کرتے تھے، اب رحمۃ اللہ علیہ اور رحمہ اللہ تعالیٰ کہنے پر مجبور ہو گئے۔ افسوس یہ سوچا بھی نہ تھا اور یہ وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اس طرح اچانک آپ ہم سے جدا ہو کر دار الخلد تشریف لے جائیں گے، ہر وقت کی حاضری دینے والے اور بار بار آنے والے خدام اور تلامذہ اور یہ حقیر، اس طرح دور ہو جائیں گے کہ آخری زیارت سے بھی محروم ہوں گے اور نمازِ جنازہ اور تدفین تک میں شریک نہ ہو سکیں گے۔

وہ ذات مبارکہ جس نے ۸۲ / برس قبل عالم رنگ وبو میں قدم رکھا، وہ دنیا کا مسافر جس نے اس عالم فانی میں جب اپنا علمی سفر جاری کیا تو ایک ہی ادارہ جامعہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور میں ۶۱ / برس گزار دئے، ۴ / سال طالب علمی اور ۵۷ / سال تدریس کے، جس میں ۵۴ / سال تدریس حدیث اور مکمل ۵۰ / سال بخاری شریف کا درس دینے میں گزار دیے۔

إنا لله و إنا إليه راجعون. إن لله ما أخذ و له ما أعطى و كل شئى عنده بأجل مسمّى،

اللهم اغفر له وارحمه، واجعل الفردوس مثواه، واجعله فی الندیّ الأعلی.

اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کی بال بال مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور محض اپنے فضل سے حدیث شریف کی خدمات جسے آپ نے اپنی زندگی کا شعار ودثار بنایا تھا اس کو مغفرت اور قرب خاص کا بہانہ بنا دے۔

آہ کیا بتائیں سچ کہا کسی نے ؎

وما کان قیس هلکه هلک واحد	ولکنه بنیان قوم تهدما

اور جس نے کہا وہ بجا حضرت پر بھی خوب صادق آتا ہے ؎

هیهات لایأتی الزمان بمثله	إن الزمان بمثله لبخیل

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت والا مدت سے علیل تھے، اندرونی اعصاب بالخصوص گردہ وغیرہ کے عمل میں خلل آچکا تھا (چناں چہ تین سال قبل حج کے موقع پر بیمار بھی ہوئے، مدینہ شریف میں ہسپتال میں داخل ہوئے، پھر بمبئی لایا گیا یہاں بھی علاج ہوا، مگر حضرت پر سہارنپور پہنچ کر بخاری شریف پر تعلیقات کی ترتیب کا کام سوار تھا، اسی طرح بخاری شریف پڑھانے کا، جو حضرت کے لیے ہر درد کی دوا، اور ہر مرض کا درمان ہے، تقاضا غالب ہوا، اس لیے علاج کی تکمیل سے قبل ہی سہارنپور پہونچ گئے) پھر چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے سے تقریباً معذور ہو چکے تھے، قبض کی مسلسل شکایت رہنے لگی، آخر میں کھانے کی اشتہاء اور رغبت بھی کم ہوگئی، جس کا بار بار اظہار فرمایا، یہ بھی فرمایا کہ کھانے کی لذت ختم ہوگئی، کافی دانت گر چکے جس کی وجہ سے کھانے میں کافی تکلف کرنا پڑتا تھا، ان ظاہری عوارض کے ساتھ ایک مدت سے آپ سحر کے شکار تھے، ان سب کی وجہ سے بدن بالکل مضمحل رہنے لگا، بار بار آپ فرماتے: بدن میں جان نہیں رہی، بدن بوجھ بنا ہوا ہے، بدن میں طاقت ہی نہیں رہی،

انہیں اعذار کے ساتھ آپ نے ماہ رجب ۱۴۳۸ھ میں مظاہر علوم میں بخاری شریف کا درس پورا کیا، مسلسلات ختم فرمائی، اور دوسرے دن ہتورا باندہ، پھر گجرات کا سفر فرمایا۔ اور سہارنپور واپسی کی، چند روز کے بعد شعبان میں دوملکوں جزیرہ ریونین اور انگلینڈ کا طویل سفر فرمایا، انگلینڈ کے سفر میں روزانہ کئی شہروں کا سفر ہوتا، کہیں بخاری کا ختم، تو کہیں افتتاح کے عنوان سے مجلسیں منعقد ہوتی تھیں، اور شام کو اپنے مستقر جامعۃ العلم والہدیٰ بلیک برن میں تشریف لاکر آرام کرتے، ۱۷؍شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ خود جامعہ کے ختم بخاری شریف میں جس کے لیے آپ مدعو تھے ایک گھنٹہ کا طویل بیان دیا۔

دوسرے دن ۱۸؍شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ بروز دوشنبہ عمرہ کے لیے جاتے ہوئے مجلس دعوۃ الحق، لیسٹر احقر کی دعوت پر تشریف لائے اور بخاری شریف کا افتتاح فرمایا (تکوینی طور پر یہی افتتاح حضرت کا بخاری شریف کا آخری درس ثابت ہوا، جس کو بطور نیک فالی یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت زبان قال سے نہیں زبان حال سے یہ فرما گئے کہ آئندہ میری بخاری شریف کا درس اور اس پر تحقیقات اور تعلیقات اور حواشی کے جمع و ترتیب کا کام یہاں سے جاری ہوگا۔ (إن شاء اللہ) یہ وہی جگہ ہے جہاں بیٹھ کر احقر کو الیواقیت الغالیۃ کی ۴؍ جلدیں ترتیب دینے اور کتاب التوحید اور نبراس الساری جلد اول کو اشاعت کے قابل بنانے کی سعادت ملی) پھر اسی دن شام کو زیارت حرمین شریفین اور عمرہ کی نیت سے تشریف لے گئے، اس حقیر کو یہ سعادت حاصل رہی کہ حضرت والا کی معیت و رفاقت حاصل کرنے کے لیے عمرہ کا سفر کر لیا۔ اور دو ہفتے حرمین شریفین میں قیام گاہ پر حاضری ہوتی رہی، آخری ملاقات ۳؍رمضان کی صبح ہوئی جب حضرت مکہ مکرمہ سے ہندوستان واپس ہو رہے تھے۔ ۴؍رمضان سے ۱۶؍شوال تک ۶؍ہفتے انہیں کمزوریوں اور ضعف و اضمحلال میں گزرے،

مگر معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا، روزے برابر رکھے، تراویح اور تلاوت کلام اللہ اور نمازوں اور اورادِ مسنونہ کا برابر اہتمام کیا، عید بھی بخیر گزری، آخری ۲؍ دنوں میں بے چینی کافی بڑھ گئی، اور بے ہوشی سی رہنے لگی، تا آں کہ وہ وقت آ گیا جس سے کسی کو مفر نہیں اور آپ ہزار ہا ہزار تلامذہ و متعلقین کو سوگوار چھوڑ کر آخرت کی طرف سفر کر گئے، جہاں ہر شخص کو کسی نہ کسی دن جانا ہے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ.

آپ کی وفات کا یہ حادثہ ۱۶؍شوال المکرم ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱؍جولائی ۲۰۱۷ء بروز منگل صبح ۹؍ بجے پیش آیا، وفات کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی، ہر شخص جہاں تھا سناٹے میں رہ گیا، بقدر تعلق آنکھوں سے غم اور رنج کے آنسو امڈ آئے، دل پکڑ کر رہ گیا اور قریب کے حضرات خبر سنتے ہی حجرۂ قیام کی طرف جمع ہونے لگے، دیکھتے ہی دیکھتے مدرسہ کا پورا احاطہ اوپر نیچے انسانوں سے بھر گیا۔ خوش قسمت ہیں وہ جنہیں آخری دیدار نصیب ہو گیا جنازہ میں شرکت کی سعادت مل گئی۔ دور کے حضرات تو جنازہ میں پہونچ ہی نہیں سکتے تھے، قرب وجوار کے لوگ بھی لاکھوں کی تعداد میں شریک ہوئے اور غالباً سہارنپور کی تاریخ میں ایسا جنازہ نہیں دیکھا گیا۔ یہ حضرت کی قبولیت عنداللہ کی بڑی نشانی ہے، زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا تھا کہ میرے حق ہونے کی گواہی میرا جنازہ دے گا، وہی بات حضرت الاستاذ کے جنازہ پر صادق آئی، آپ کا جنازہ قبولیت ومحبوبیت عنداللہ کی شہادت دے گیا۔

یہاں ایک قدرتی سوال لوگوں کے ذہن میں یہ آتا ہے کہ حضرت نے آخر عمر میں مدینہ منورہ کیوں قیام نہیں فرمایا؟ ممکن ہے کوئی صاحب اس کو حضرت کی محرومی پر محمول کریں اس سلسلہ میں عرض ہے کہ بیشک حضرت والا کی تمنا اور خواہش مدینہ منورہ کی موت کی تھی، مگر

حدیث شریف کے پڑھنے پڑھانے اور اس کی خدمت سے اتنا شغف تھا کہ باوجود اس اندازہ کے کہ اب چل چلاؤ کا وقت ہے، آپ نے اس طرف خاص توجہ نہ کی، بلکہ حضرت نے تین سال پہلے کی شدید بیماری میں یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! حدیث شریف کی خدمت اور بخاری شریف کی تدریس کی مرتے دم تک توفیق عطا فرما۔ اور آخر میں تو اس خیال سے کہ حدیث شریف پر جو کام کیا ہے اور کاغذات لکھے ہیں، وہ مرتب ہو جائیں اور ضائع ہونے سے بچ جائیں، آپ نے مدینہ منورہ سے سہارنپور جلد پہنچنے پر اصرار کیا، اور علاج بھی نامکمل چھوڑ کر تشریف لے آئے، اور حضرت کے سفر کے خادم خاص، محب مکرم، مولانا یونس رندیرا نے بتایا کہ حجاز کے بڑے بڑے حضرات شیخ بکر بن لادن، شیخ محمد بن لادن، شیخ داود علوانی شیخ اسماعیل سرّتی، شیخ یونس دہلوی وغیرہ وغیرہ حضرات نے بار بار اقامت کی پیش کش کی، اور قیام کے لیے انتظام بھی کر دیا، مگر حضرت کو صرف اور صرف حدیث شریف کی خدمت سے عشق تھا، اس لیے آپ سہارنپور ہی رہے۔ آخر آپ کا انتقال وہیں ہوا، اور جنازہ بھی دار الحدیث سے اٹھا۔

آخری دور میں تو ان ہی اوراق کو جو حدیث شریف اور بخاری شریف کی تعلیقات و حواشی کی صورت میں ہیں، جلد از جلد مرتب کرنے کے خیال سے احقر اور حضرت کے تلامذہ سے مستعد نوجوان فارغین جو کمپیوٹر وغیرہ بھی جانتے ہوں سہارنپور بھیجنے کا تقاضا رکھا۔ الحمد للہ ایک فارغ طالب علم مولوی نور محمد تیار ہوئے، وہ اتوار کو سہارنپور پہونچے، اور حضرت نے ان سے فرمایا کہ کل پیر سے کام شروع کریں گے، مگر طبیعت کے شدید اضمحلال اور اغماء کی سی کیفیت کی وجہ سے کام شروع نہیں ہوا اور منگل کو تو رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

میں حضرت شیخ کے اُن تمام خدام کو جنہوں نے حضرت کی جب کبھی اور جس انداز

سے خدمت کی ہو، بالخصوص ان اوراق کو قلمبند کرنے اور نقل کرنے کی محنتیں، جس دور میں بھی اٹھائی ہوں، ان سب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان سب کی خدمات بارگاہ عالی میں قبول فرمائے اور اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، بالخصوص عزیز گرامی قدر مولانا یونس رندیرا صاحب مقیم مدینہ منورہ کو جو حضرت والا کے ایک مدت سے اسفار حرمین و دیگر ممالک کے بہترین رفیق خادم و معاون بنے، جنہوں نے حضرت والا کو آرام پہونچانے اور حضرت کی منشا کو سمجھ کر ہر طرح راحت پہونچانے میں کوئی کمی نہیں کی بہترین بدلہ عطا فرمائے اللہ ان سے راضی ہو جائے۔ اسی طرح حضرت کے اخص تلامذہ اور خدام میں حضرت مفتی شبیر صاحب سابق استاذ حدیث دارالعلوم بری ہیں، جن کا حضرت سے غیر معمولی تعلق رہا اور وقتاً فوقتاً اہلیہ محترمہ کے ساتھ سہارنپور جا کر حضرت کی خدمت کرنا، اور تمام کمرے کی صفائی کروانا اور کتابوں کے غلاف بدل کر نئے غلاف چڑھانا اور عمدہ ترتیب سے کتابوں کو رکھنا بطور خاص خدمت کا جز رہا، اللہ تعالیٰ انہیں بھی بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

اب ہم مختلف عنوانات کے تحت حضرت کے کچھ احوال و اوصاف کا ذکر کرتے ہیں۔

عمر مبارک:

حضرت والا کی تاریخ پیدائش حضرت کی خود نوشت تحریر میں ۲۵/رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲/اکتوبر ۱۹۳۷ء دوشنبہ ہے، مگر اسلامی انگریزی کیلنڈر سے دونوں تاریخوں کا تطابق نہیں ہوتا، جب حضرت سے ایک صاحب علم نے اس سلسلہ میں رجوع کیا، تو فرمایا انگریزی تاریخ تو محفوظ ہے لکھی ہوئی ہے، اس اعتبار سے ۲/اکتوبر ۱۹۳۷ء کی تاریخ ۲۵ یا ۲۶ رجب ۱۳۵۶ھ روز شنبہ بنتی ہے، احقر نے بھی جوہر تقویم مصنفہ ضیاء الدین لاہوری کو دیکھا تو اسی طرح پایا، اس طرح حضرت کی عمر مبارک ۸۲/برس ۲ ماہ ۲۱ دن بنتی ہے اور انگریزی

حساب سے ۷۹ برس ۹ ماہ ۲۱ دن بنتی ہے۔

تعلیمی وتدریسی مراحل:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو طالب علمی سے محنت اور مطالعہ کا ذوق عطا فرمایا تھا، مظاہر علوم کی طالب علمی کے دور میں آپ ہر کتاب میں اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوتے تھے، اور دورۂ حدیث کے سال تو آپ جماعت میں سب سے اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے، جس پر مدرسہ کی طرف سے آپ کو خصوصی انعام بھی دیا گیا اس کی تفصیل تاریخ مظاہر میں دیکھی جا سکتی ہے۔

فراغت کے بعد آپ نے ایک سال مزید فنون کی کتابیں پڑھیں، اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی بخاری کے پورے درس میں سماعت فرمائی۔ آپ کی اسی استعداد اور محنت کی وجہ سے آپ کو اربابِ مدرسہ نے مدرس رکھا، آپ نے تمام کتابیں محنت سے پڑھائیں، طلبہ آپ کے درس سے مطمئن رہے، آپ درس کو خوب حل کرتے، اختلافِ ائمہ اور ان کے دلائل تفصیل سے بتاتے، تمام باتیں انتہائی ترتیب سے بیان کرتے، جس کی وجہ سے سبق خوب سمجھ میں آتا، ارباب مدرسہ آپ کی محنت سے خوش تھے اور آپ کی علمی ترقی کی راہ کھلتی گئی، اس دوران آپ کو حدیث شریف سے مناسبت پیدا ہوگئی، احادیث کی تدریس وتخریج میں (جو اُس دور میں مشکل ترین کام تھا اس لیے کہ براہ راست دسیوں کتابوں کے صفحات در صفحات کھولنے پڑتے تھے) حضرت شیخ زکریاؒ کے معاون بن گئے اور حضرت شیخ کو آپ پر اعتماد ہونے لگا، حتیٰ کہ آپ کے پاس آنے والے علمی سوالات کے جواب کے لیے آپ ہی کے پاس بھیجتے تھے، اور آپ قابل اطمینان جواب لکھتے، اس طرح آپ بہت جلد تدریس حدیث تک پہونچ گئے۔ اور اس میں بھی آپ نے نیک نامی حاصل کی تا آں کہ ادارہ نے آپ کو اپنے اساتذہ کی موجودگی میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز کر دیا۔

صحیح بخاری کے درس کی خصوصیات:

آپ صحیح بخاری کے درس کی بھرپور تیاری کرتے، پورا مطالعہ کرتے، شروح بخاری کا مطالعہ کر کے اس کی ضروری باتوں کو نوٹ کرتے، آپ نے مطالعہ کے دوران تین طرح کے حواشی لکھے، ایک تو مختصر اشارات جو بین السطور یا حاشیہ پر ہوتے، جس سے کتاب کی تدریس میں مدد لیتے، دوسرے حاشیہ پر یا سادہ ورق پر پورے باب کا خلاصہ یا نئی تحقیق لکھتے، تیسرے بعض دقیق ابواب پر مستقل اجزاء کی شکل میں تحریر فرماتے، ہر بات کا پورا حوالہ لکھتے، درس میں ہر قول کا حوالہ دیتے، کتاب کی عبارت کو پوری طرح حل کرتے، تمام مسالک و مذاہب ائمۂ اربعہ کے ناموں کے ساتھ نقل کرتے، بلکہ دیگر ائمۂ متبوعین اور علماء کے نام لے کر ان کے اختلافات اور دلائل بھی ذکر کرتے۔ آپ کا درس انتہائی مرتب محقق اور جامع ہوا کرتا تھا، شروع سے اخیر کتاب تک برابر سمجھاتے اور وقت پر کتاب پوری کرتے، شروع دور جوانی میں تو کلام انتہائی مفصل ہوتا تھا بعد میں رفتہ رفتہ اختصار ہوتا گیا۔

بخاری شریف کی بہت سی عبارات پر اگر چہ شراح نے حرف آخر کہہ دیا ہو، مگر آپ اس کی بھی تحقیق کرتے، ایک مرتبہ احقر سہارنپور گیا ہوا تھا اور جب بھی جاتا شیخ کے درس میں ایک یا دو بار بیٹھ جاتا، ایک مرتبہ کتاب الحج کا سبق چل رہا تھا، عبارت آئی ترکتہ بتعھن وھو قائل بالسقیا، لفظ قائل ہمزہ سے ہے یا ب سے قابل ہے، شراح نے لکھا پہلا لفظ صحیح ہے، حضرت نے سفر حج میں اس کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ تعھن، سقیا کے مقابل اور قریب ہے اور رجل تعھن کا تعارف کرا رہا ہے کہ وہ سقیا کے قریب اور مقابل ہے لہٰذا قابل ب سے ہی صحیح ہے، اس طرح حضرت ہر بات کی مکمل تحقیق فرماتے تھے۔

اشتغال بالحدیث والمطالعۃ:

آپ کو اگرچہ حدیث شریف سے خاص شوق اور عشق پیدا ہو گیا، جو آپ کو اپنے اساتذہ سے وراثت میں ملا، مگر آپ ہر فن کی کتابوں کا پورا مطالعہ کرتے تھے، ائمۂ اربعہ کے فقہ کو ان کی اصل کتابوں سے پڑھا، اسی طرح متقدمین ائمہ اور علماء کی بہت سی کتابوں کو آپ نے برابر دیکھا، جس کی وجہ سے آپ کو ہر فن میں پورا درک اور عبور حاصل ہو گیا، جس کی وجہ سے آپ کے اندر ایک محققانہ اور مجتہدانہ شان پیدا ہو گئی، آپ فن کے ایک ناقد کی طرح پوری بصیرت کے ساتھ کلام فرماتے اور ان کے اقوال میں محاکمہ فرماتے۔ آپ کا ایک خاص ذوق یہ تھا کہ اگر حدیث کے کسی شارح نے کوئی قول نقل کیا ہے تو آپ اس قول کے اصل قائل کی تلاش کرتے اور اس کے لیے دسیوں کتاب کی مراجعت کرتے، حتیٰ کہ حافظ ابن حجر نے کسی کا کوئی قول نقل کیا تو ان کی اصل کتاب میں اس کو تلاش کرتے اور وہ کتاب اگر نایاب ہے تو کہیں سے بھی کتاب تلاش کرواتے اور اس کے سینکڑوں واقعات ہیں۔

آپ کے استاذ خاص شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کو آپ کے علم اور درس پر اتنا اعتماد تھا کہ ایک مرتبہ کسی بات پر حضرت شیخ نے آپ کو یہ خط لکھا جو آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے۔

عرضِ حالِ دلِ بے تاب کو شکوہ سمجھے	ابھی کمسن ہیں وہ کیا عشق کی باتیں جانیں

ابھی تدریس دورہ کا پہلا سال ہے اور اس سیہ کار کو تدریس دورہ کا اکتالیسواں سال ہے اور تدریس حدیث کا سینتالیسواں سال ہے، اللہ تعالیٰ تمہاری عمر میں برکت دے اور مبارک مشغلوں میں تادیر رکھے، جب سینتالیس پر پہنچ جاؤ گے، تو ان شاء اللہ مجھ سے آگے

ہو گے۔ فقط۔

زکریا ۲۴ رجب ۱۳۸۷ھ

اس پرچہ کو نہایت احتیاط سے کسی کتاب میں رکھیں، چالیس سال بعد پڑھیں۔"

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خط آپ پر اعتماد کی کھلی نشانی ہے اور کسی بلند مقام کی پیشین گوئی کر رہا ہے۔

تصنیف و تالیف:

ابتدائی دور تدریس سے ہی آپ نے لکھنا شروع کیا، حضرت فرماتے تھے کہ میری فراغت پر والد صاحب نے ۲۰/ روپے بھیجے، میں نے ۱۸/ روپے کی مشکاۃ المصابیح خریدی، اس کو دیکھ کر جہاں رواہ فلان آتا، تو اصل کتاب کھول کر اس سے مطابقت کرتا اگر اختلاف الفاظ ہوتا، تو اس کو حاشیہ پر لکھ لیتا، اگر رواہ...... پر بیاض ہو تو مختلف کتابوں میں اس روایت کو تلاش کرتا، اس طرح لکھنے اور تحقیق کا ذوق پیدا ہونے لگا۔ پھر جو کتاب پڑھاتے اس پر مختلف شروح سے حسب ضرورت حاشیہ لکھتے، تخریج کی ضرورت ہوتی تخریج کرتے، اسی طرح آپ کے ذہن میں کوئی مضمون آتا آپ اس پر جزء کی شکل میں پورا رسالہ لکھتے اور اس کے لیے سینکڑوں کتابوں کی مراجعت کرتے، آپ کے بہت سے اجزاء اور رسائل اسی دور کے تالیف کردہ ہیں، پھر آپ نے بذل المجہود اور مسلم اور آخر میں بخاری شریف پر بے شمار حواشی تعلیقات اور اوراق لکھے، شراح اور محدثین کی کتابوں کو دیکھتے ہوئے کوئی تسامح نظر آتا تو دوسری کتابوں سے حوالہ دے کر اسے لکھتے، اس طرح آپ نے فتح الباری وغیرہ کتابوں پر بھی بہت کچھ لکھا، رات دن آپ کا یہی شغل تھا کہ پڑھتے اور لکھتے، نہ

شادی کی، نہ خانہ داری کے جھمیلوں میں پڑے، نہ کہیں جانا نہ آنا، نہ کسی جلسے اور اجتماع میں شرکت، ایک طویل زمانے تک آپ نے مدرسہ کے حجرے میں گوشہ نشینی کر کے وہ کام کیا کہ اب ان کاموں کی تکمیل کے لیے ایک اکیڈمی کی ضرورت ہے۔

کتب خانہ:

آپ کو کتابیں خریدنے کا شوق ابتدائی جوانی ہی سے تھا، جیسا کہ اوپر عرض کیا جب فارغ ہوئے، تو والد صاحب نے ۲۰/روپے بھیجے، اسی وقت ۱۸/روپے کی مشکاۃ المصابیح خرید لی، ۸۴ھ میں حضرت شیخ زکریاؒ نے حج میں جاتے ہوئے ۵۰/روپے دیے، واپسی میں آپ نے پوچھا کہ میں نے جاتے ہوئے ۵۰/روپے دیے تھے، وہ کچھ کام آئے؟ تو فرمایا کہ میں نے اس سے نصب الرایۃ خرید لی، شیخ نے فرمایا: اس کے لیے تو زندگی پڑی تھی، حالاں کہ وہ دور حضرت کی مالی تنگی کا دور تھا، مدرسہ کی تنخواہ بھی برائے نام تھی اور کافی رقم دواؤں کی نذر ہو جاتی تھی۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ حضرت کو کتاب خریدنے کا کتنا شوق تھا۔ جب ذرا پیسے جمع ہوتے فوراً کوئی نہ کوئی کتاب خرید لیتے، بعد میں جب حج اور عمرہ کے اسفار ہونے لگے اور کچھ اہل محبت تلامذہ اور متعلقین ہدیہ دینے لگے، تو ساری رقم وہاں سے کتابوں کے خریدنے میں لگا لیتے۔ عشاء کے بعد فوراً کتب خانوں میں چلے جاتے اور کتب خانوں میں گھنٹوں کھڑے رہتے جو بھی کتاب نئی یا نادر مل جاتی فوراً خریدتے، جب چلنے پھرنے سے معذوری ہونے لگی، تو طلبہ سے کتابیں خریدواتے، اگر کوئی کتاب موجود ہوتی مگر اس کا کوئی نیا نسخہ نئی تحقیق کے ساتھ چھپا ہو، تو اسے خرید لیتے اور پرانا نسخہ کسی مدرسہ کو وقف کر دیتے، اس طرح کتابیں جمع کرتے کرتے آپ کا ذاتی کتب خانہ بہترین اور نادر کتب خانہ

بن گیا، جس میں کسی جامعہ کے کتب خانے سے کہیں زیادہ کتابیں ہیں، اور آج وہ انتہائی بیش قیمت کتب خانہ ہے۔

تحریر:

آپ کی تحریر اور خط نہایت عمدہ، صاف ہے، شکستہ رسم الخط میں جب لکھتے ہیں بہت ہی خوب صورت تحریر معلوم ہوتی ہے، آپ کا خط بہت آسانی سے پڑھا جاتا ہے، لکھنے میں غلطیاں بھی شاذ و نادر ہوتی ہیں، دوسری کتابوں کی عبارت نقل کرتے ہیں اس میں بھی بہت کم غلطیاں ہوتی ہیں، چناں چہ آپ کی تحریر کا ایک نمونہ ہم الیواقیت میں پیش کر چکے ہیں۔

تجوید:

آپ حافظ قرآن تو نہیں تھے، مگر قرآن بہت صحت اور قواعد تجوید کی رعایت کے ساتھ پڑھتے تھے، چناں چہ درس میں جب کبھی کوئی آیت پڑھتے، تو اس کا پورا اندازہ ہوتا، اسی طرح آپ خوش الحان اور بلند آواز تھے، آپ کی عمدہ آواز آخری عمر تک شاندار رہی۔

بیعت وارشاد:

سہارنپور کا علاقہ جو دوآبہ کا علاقہ کہلاتا ہے قدیم دور سے اولیاء اللہ اور مشائخ زمانہ کا مسکن مولد و مدفن رہا ہے، حضرت کے ابتدائی دور میں رائے پور، سہارنپور، دیوبند، جلال آباد وغیرہ کی خانقاہیں آباد تھیں، بالخصوص حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری کا وجود با مسعود تھا، جن سے کسب فیض کے لیے دور دور سے علماء امت آتے تھے۔ حضرت نے بھی ان کی بار بار زیارت کی۔ اور آپ اپنے درس میں ان کے تواضع وفنائیت اور علمی روحانی مدارج کے واقعات کثرت سے سناتے تھے، اور شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب اور

حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ صاحب خلیفۂ حکیم الامت حضرت تھانوی خود سہارنپور میں تھے، جن سے ہمیشہ ہی فیض یاب ہونے کا موقع ملتا تھا، اور خاص طور سے حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ صاحب کی بزرگی اور تقویٰ وطہارت کی تو آخر دم تک تعریف کرتے تھے، بسا اوقات یہ فرماتے کہ یہ سب حضرت ناظم صاحب کی برکت اور دعا ہے۔ آپ نے زمانۂ تدریس میں با قاعدہ حضرت شیخ زکریاؒ کے ہاتھ پر بیعت کی، چوں کہ مطالعہ اور تدریس میں انہماک تھا، اس لیے خاص اشغال سلوک وتزکیہ کی طرف آپ زیادہ توجہ نہ دے سکے، مگر ان حضرات کی مجالس میں برابر حاضری رہی، ایک مدت گزرنے کے بعد اولاً حضرت ناظم صاحب یعنی مولانا اسعد اللہؒ اور ثانیاً حضرت شیخ زکریاؒ کی طرف سے اجازت بیعت وارشاد دی گئی، انہیں بزرگوں کا فیض باطنی آپ کو یہ ملا کہ آپ کے اندر بھی تواضع وفنائیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، آپ نے زندگی بھر کی تحریری خدمات کو طباعت کے لائق سمجھا ہی نہیں، بلکہ ہمیشہ انکار کرتے رہے، اسی طرح تقویٰ اور طہارت، عفت وعفاف، دنیا سے بے رغبتی، آخرت کا شوق، طاعت کی طرف دھیان، ذکر اللہ کا قلباً ولساناً اہتمام، درود شریف کی کثرت، سادگی وغیرہ ان ہی حضرات اولیاء اللہ کے فیوض باطنی کے اثرات ہیں، جو غیر اختیاری طور سے سالکین کے قلوب میں رچ بس جاتے ہیں، اور زندگی صاف وشفاف بے غبار بلکہ دوسروں کے لیے آئینہ بنتی ہے۔

حضرت اقدس سے جہاں بے شمار طلبہ اور فضلاء نے پوری بخاری شریف پڑھ کر یا کم وبیش کچھ حصہ یا اوائل الاربعین یا حدیث مسلسل بالاولیۃ پڑھ کر حدیث کی سند لی ہے اور اپنا اختصاص پیدا کیا ہے، وہیں پر آپ کے دست مبارک پر بہت سے لوگوں نے بیعت توبہ لی ہے، اور اپنی باطنی تربیت اور تزکیہ واحسان کے لیے آپ سے ربط قائم کیا ہے، ان میں

اکثر حضرات عوام المسلمین سے زیادہ اہل علم کا طبقہ ہے، اور یہ سلسلہ آخر عمر تک جاری رہا، ان میں جن حضرات نے اپنی باطنی نسبت قوی کی اور نسبت احسان ان میں پیدا ہوئی ان کو حضرت نے اجازت بیعت وخلافت عطا فرمائی۔

تقویٰ اور اتباع سنت:

زندگی بھر آپ تقویٰ اور اتباع سنت سے معمور رہے، اور یہ فیض ہے مشائخ اور اولیاء اللہ کا، اسی طرح اوراد ووظائف مسنونہ کا اہتمام اور ذکر اللہ کی کثرت آپ کا معمول تھا حضرت شیخ زکریاؒ کے یہاں ماہ مبارک میں روزانہ اور ہر جمعہ کو ذکر اللہ بالجہر کا اجتماعی معمول ہوتا، آپ اس میں شریک ہوتے، حضرت کے بعد ماہ رمضان میں اطراف واکناف سے ایک بڑی تعداد آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی، ان میں اکثر علماء ہوتے اور روزمرہ کے معمولات تلاوت کلام اللہ اور تراویح وذکر اللہ اور مجلس میں شریک ہوتے، اسی طرح آپ طہارت اور پاکی کا خاص اہتمام فرماتے، یوں بھی آپ انتہائی نظیف ولطیف الطبع تھے ذراسا بھی شک وشبہ ہوتا آپ بدن دھوتے، کپڑے بدلتے، آخر میں جسمانی اعذار کے باوجود آپ تکلیف سہہ کر بھی آپ یہ کام انجام دیتے۔ آپ آخری دور میں بھی ہمیشہ نماز زمین پر بیٹھ کر ادا فرماتے، حرمین شریفین کے سفر میں بھی آپ مسجد میں ویل چیر پر تشریف لاتے مگر اتر کر فرش پر ہی نماز پڑھتے اور ویل چیر ایک طرف رکھ دی جاتی، وہاں موجود کتنے عرب نمازیوں کو بھی اس پر تعجب ہوتا کہ معذور ہیں، پھر کیوں زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں جب کہ وہاں سینکڑوں لوگ کرسیاں لے لے کر نماز پڑھتے ہیں، یہ بھی آپ کے تواضع اور مسنون طریقے پر نماز ادا کرنے کی دلیل ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر:

اولیاء اللہ اور مشائخ طریقت کا سب سے بڑا وظیفہ امت کو خیر کی دعوت اور برائیوں سے روکنا ہے۔ اسی لیے اجازت بیعت وارشاد دی جاتی ہے، حضرت اقدس نے اس سلسلے میں بھی بڑی خدمات انجام دی ہیں، واردین وصادرین کو ہمیشہ اتباع سنت کی ترغیب دیتے اور مخاطب میں اگر کوئی کمی محسوس کرتے، تو فوراً تنبیہ کرتے۔ چاہے مخاطب کیسا ہی دینی یا دنیوی وجاہت والا آجائے، اگر کوئی بے داڑھی والا مسلمان آجائے تو اسے داڑھی رکھنے کی ترغیب دیتے، اگر بچے یا جوان آئیں، تو پوچھتے حافظ ہو؟ اگر نہیں، تو حفظ کی ترغیب دیتے اور اگر حافظ ہو، تو نوافل میں ایک پارہ یومیہ پڑھنے کی ترغیب دیتے، کوئی اپنی پریشانی کا ذکر کرے، تو درود شریف یا استغفار کی کثرت کا حکم کرتے، آپ ان باتوں کے بتانے میں کسی کی کوئی پرواہ نہیں کرتے، بعض مرتبہ کوئی ایسی بات فرمادیتے یا کوئی ایسا مرض بتادیتے جس کا مخاطب شکار ہوتا اور پھر اس کا علاج بتاتے، یہ حضرت کے فراست قلب یا کشف کی بات ہوتی۔

مسلک ومشرب:

بعض حضرات کو یہ اشکال بہت پیش آرہا ہے کہ حضرت مسائل فقہ ومسائل کلامیہ میں جمہور کے مسلک سے اور خاص طور سے مسلک حنفیہ اور مشرب علماء واولیاء دیوبند سے ہٹے ہوئے تھے اور یہ وہ اشکال ہے جس نے ہندوستان کے ایک بڑے طبقہ کو شیخ سے بدظن کررکھا ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں ایسا کوئی بڑا عالم یا محدث یا فقیہ یا بزرگ نہیں ہے جس سے کسی نہ کسی کو اختلاف نہ ہوا ہو، ہر وہ آدمی جو کسی بلند مقام پر پرواز کرتا ہے کچھ نہ کچھ اس کے مخالف پیدا ہو ہی جاتے ہیں، بعض مرتبہ اصل حقیقت کو نہ پہچاننے کی وجہ سے

بھی یہ بات پیش آتی ہے۔

حضرت نے دنیا و مافیہا سے الگ ہو کر ساری زندگی صرف اور صرف کتب حدیث شریف اور اس کے شروح و حواشی کا مطالعہ کیا بالخصوص صحیح بخاری کو من وعن براہ راست حل کرنے اور اس کے تراجم و ابواب کی اغراض پر غور کرنے اور مابین الابواب مناسبات پیدا کرنے پر زندگی خرچ کردی، پچاس سال تک صحیح بخاری آپ کا اوڑھنا بچھونا بنی رہی، جس کے واسطے سے امام بخاری کی پوری فکر اور ان کا مشرب آپ کے دل دماغ میں رچ بس گیا، سچ کہا کسی نے ؎

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد	وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اب جیسے امام بخاری بقول شراح و حضرت شیخ زکریا مجتہد مطلق تھے اور اپنا مستقل مسلک و مشرب رکھتے تھے، اکثر مسائل میں ائمہ اربعہ کے کسی قول پر اور کبھی ان سے ہٹ کر کسی بھی صحابی یا تابعی کے قول پر فتویٰ دیتے، اسی طرح حضرت کے اوپر بھی ان ہی کا قال اور حال طاری ہوا، اور آپ بھی مسائل فقہ و مسائل کلامیہ میں امام بخاری کے طرز پر مستقل ایک رائے رکھنے لگے، اور اصل بات یہ ہے کہ حضرت والا زندگی بھر تک عزیمت پر عمل کرتے رہے اور ہمیشہ ہر چیز میں احتیاط کا پہلو رکھتے تھے، صرف بعض مسائل میں بالخصوص آخر عمر میں جب آپ پر ضعف کا دور آیا تو مجبوری کے تحت دوسرے ائمہ کے قول پر عمل کیا۔ چناں چہ خود مجھ سے فرمایا کہ پانی کے سلسلہ میں میں بہت احتیاط کرتا تھا، مگر اب معذوری کی وجہ سے سخت تکلیف ہوتی ہے امام مالک کے مسلک پر عمل کر لیتا ہوں الماء طھور لا ینجسہ شیء، ایک مرتبہ حرم شریف میں صحن حرم سے متصل عمارت میں قیام تھا، عشاء کی نماز کے وقت وہیں پر اقتدا کرنا چاہی میں نے عرض کیا کہ صحن میں صفوف متصل نہیں ہیں، فرمایا امام

بخاری کے مسلک پر نماز ہو جاتی ہے تمہاری نہ ہوتی ہو، تو تم حرم جا کر پڑھ لو، چناں چہ میں حرم چلا گیا اور نماز پڑھ کر واپس آیا، حضرت نے ذرہ برابر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، اسی طرح سفر کے دوران بسا اوقات دوسری نماز کے قضا ہونے کے خوف سے آپ جمع بین الصلاتین کرتے اور خدام و رفقاءِ سفر سے فرماتے کہ بھائی میں معذور ہوں بار بار وضو کرنا بھی مشکل ہے، اس لیے میں دوسروں کے قول پر جمع کر لیتا ہوں، پھر اگر بعد والی نماز کا وقت ہوتا اور مثلاً: جماعت ہوتی، تو آپ دوبارہ وہ نماز ادا فرماتے، نیز آپ اپنے کسی قول و فعل پر کسی کو دعوت نہیں دیتے تھے، نہ کسی کو اس پر عمل کے لیے مجبور کرتے تھے۔

تو جس طرح امام بخاریؒ نے کسی امام کی خاص تقلید نہیں کی، ہاں ان کے اقوال و فتاویٰ کبھی امام ابوحنیفہ، کبھی امام مالکؒ، کبھی امام شافعیؒ، کبھی امام احمدؒ کے موافق ہوتے ہیں اور کبھی ان سب سے ہٹ کر الگ رائے قائم کرتے ہیں، اسی طرح جس شخصیت نے ہر چیز سے الگ ہو کر ساری زندگی صحیح بخاری کا مطالعہ کیا، اس کا عکس آپ کے قلب مبارک پر پڑا جب کہ اس کے ساتھ قوتِ حافظہ اور اعلیٰ درجہ کی ذکاوت و ذہانت شامل ہو، تو پھر اگر کچھ مسائل میں ان سے اتفاق ہو جائے تو کوئی بعید نہیں۔ اور صحیح بات تو یہ ہے کہ صحیح بخاری اور امام بخاری آپ کا قال اور حال بن گیا تھا، اور صحیح بخاری کی محبت آپ کے قلب میں رچ بس گئی تھی اور اس کے سوا آپ کے دل دماغ میں کوئی اور چیز نہیں رہی، یوں کہیے کہ آپ کی ذات اس شعر کا مصداق بن گئی ؎

عذل العواذل حول قلبی التائه	وھوی الأحبة منه فی سودائه

یعنی کوئی ان کی محبت میں مجھے کتنا ہی ملامت کرے، پرواہ نہیں اس لیے کہ محبوب کی محبت سوداءِ قلب میں جاگزیں ہو چکی ہے۔

جب امام بخاریؒ کا یہ حال ہے اور ہمارے مدارس عربیہ کے فضلاء اور طلبہ اس کتاب کو برابر پڑھتے پڑھاتے ہیں، بلکہ بخاری پڑھ کر سند فراغت ملتی ہے اور پڑھانے والے کو شیخ الحدیث کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور ہر عالم کی تمنا ہوتی ہے کہ اس کو بخاری شریف پڑھانے کا شرف حاصل ہو، تو پھر تمہارا کیا خیال ہے اگر کوئی محدث امام بخاری کے کچھ اقوال و افعال میں موافقت کر لے، تو کیا اس کو اپنے دائرۂ حنفیت یا حلقۂ دیوبندیت سے نکال دیا جائے گا؟ جب کہ بخاری شریف کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا لقب دیا گیا ہے اور اس میں تمام احادیث صحیح ہیں، بلکہ اس کتاب کی برکت سے حضرت اقدس میں حب نبوی اور عشق محمدی ﷺ رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا۔ ایک مرتبہ حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ جب لکھنے پڑھنے کا کام کرو تو نیت کرو کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کلام کی شرح کر رہا ہوں۔ اندازہ لگایئے کہ آپ کا ذہن کہاں تک پہنچا اور بخاری کے مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں آپ کی کیا نیت رہتی ہوگی، درحقیقت اس کی وجہ سے آپ کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت اور عظمت آخری درجہ پر پیدا ہو چکی تھی۔

آخر حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن اور امام زفر نے کتنے مسائل میں امام ابو حنیفہ سے اختلاف کیا، مگر کسی نے بھی ان کو دائرۂ حنفیت سے خارج نہیں سمجھا۔ اسی طرح ہمارے بہت سے اکابر اور مشائخ جیسے حضرت اقدس گنگوہی، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری وغیرہ حضرات نے کتنے مسائل میں دوسرے اقوال پر عمل کیا ہے، اسی طرح حضرت کے بعض مسائل میں اختلاف سے حضرت کو اپنے حلقے سے الگ نہیں کیا جا سکتا ہے، بلکہ تحقیق تو امتِ اسلام کا خاصہ اور زندگی کی علامت ہے اور ایسے حضرات کو اختلاف زیب دیتا ہے تا کہ تحقیق کی راہیں امت پر بند نہ ہوں، حضرت اقدس نے مجھ سے کئی بار نقل کیا کہ حضرت

شیخ زکریا فرمایا کرتے تھے کہ جس کا اشتغال فی الحدیث زیادہ ہوتا ہے اس کے اندر توسع پیدا ہو ہی جاتا ہے۔

پھر حضرت کی ساری زندگی کی کمائی صحیح بخاری کے تراجم کی غرض وغایت، ابواب کی مناسبات میں غور وفکر اور بخاری کے مشکل الفاظ کا حل کرنا ہے، یہ وہ چیز ہے کہ بڑے بڑے فضلاءِ عرب فرماتے ہیں کہ شيخنا يونس أفقه تراجم صحيح البخاري في هذا العصر، لہٰذا حضرت کی اس عظیم محنت سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔

اسی اہمیت کی وجہ سے ہندوستان کے ہزاروں طلبہ نے آپ سے سہارنپور پہنچ کر بخاری شریف پڑھی اور ان میں وہ طلبہ بھی کافی بڑی تعداد میں ہوتے تھے، جو اپنے علاقہ کے مدارس سے فراغت حاصل کر کے مظاہر علوم میں داخل ہو کر یا سماعت کر کے بخاری شریف پڑھتے تھے، اور پھر اس کا شہرہ حرمین کے سفر میں ہوا، تو بڑے بڑے علماءِ عرب نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور نہایت ہی عقیدت ومحبت سے حدیث کی کوئی کتاب پڑھ کر سند حاصل کی، اور چند فاضل علماءِ عرب نے تو بالالتزام ہر سفر حج یا عمرہ میں بالترتیب بخاری شریف اور دیگر کتابیں پڑھ کر اجازت حاصل کی جن میں شیخ احمد عاشور، شیخ محمد الحریری، شیخ عبداللہ التوم وغیرہ وغیرہ حضرات تھے۔

اسفار:

حضرت کا ابتدائی دور انتہائی عسرت اور تنگی میں گزرا، جب جونپور سے مظاہر علوم سہارنپور میں شوال ۱۳۷۷ھ میں داخل ہوئے، تو اس کے بعد ۱۱/ برس تک آپ اپنے وطن نہیں گئے، اس عرصہ میں ۴/ سال طالب علمی کے اور ۷/ سال تدریس کے ہیں، جب آپ نے مسلم شریف پڑھا لی تب شعبان میں اپنے وطن کچھ دنوں کے لیے والد صاحب اور بھائی

صاحب اور باقی رشتے داروں سے ملنے تشریف لے گئے، رمضان کی تعطیلات بھی مدرسہ میں گزرتی تھیں اور سوائے مطالعۂ کتب کے کوئی اور شغل نہیں تھا، پھر ایک عرصہ کے بعد آپ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے، ۱۹۸۷ء میں آپ نے رمضان کا عمرہ کیا پھر انگلینڈ کا سفر ہوا، اس وقت زیادہ تر قیام دارالعلوم بری میں ہوتا تھا اور وہیں سے پورے ملک میں سفر کا نظام بنا اور یہاں سے حج کرتے ہوئے ہندوستان تشریف لے گئے، پھر ایک عرصہ گزر گیا کہ بہت کم سفر ہوا، آخری تقریباً بیس سالوں میں ماہ رجب میں ختم بخاری شریف کے بعد ہتورا باندہ اور گجرات کے چند مدارس بالخصوص جامعہ قاسمیہ کھروڈ اور ماہی پالنپور کا ضرور سفر ہوتا، اس کے علاوہ بھی بعض علاقوں میں تشریف لے گئے، اور ہندوستان سے باہر دو سفر کا معمول بن گیا۔ پھر شعبان میں بیرون ملک ساؤتھ افریقہ اور زامبیا اور آخری سفر میں ری یونین اور خاص طور سے انگلینڈ کے سفر کا ہر سال کا معمول ہو گیا، سفر سے واپسی میں بالخصوص رمضان کا عمرہ کرتے ہوئے ہندوستان واپسی، دوسرا سفر حج بیت اللہ کا ہوتا تھا، اس طرح آپ کا فیض پورے عالم میں پھیل گیا اور ہر جگہ بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کے بے شمار تلامذہ ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت والا کی سفر وحضر کی تمام خدمات دینیہ وعلمیہ کو قبول فرمائے، نجات آخرت کا ذریعہ بنائے اور جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔

باتیں تو اور بھی بہت سی لکھنے کی ہیں مگر اس وقت اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالی اس تحریر کو قبول فرمائے۔

والسلام آپ کا ایک ادنیٰ شاگرد

محمد ایوب سورتی

تاریخ ہائے وفات

صدق اللہ الواحد الودود الکریم　　　　اِن الأبرار لفی نعیم

سنہ ۱۴۳۸ھ
دخل الجنۃ وفاز مولانا محمد یونس جونپوری

سنہ ۱۴۳۸ھ
مشتاق لقاء الحلیم مولانا محمد یونس صاحب

سنہ ۱۴۳۸ھ
مقام لطیف شیخ محمد یونس

سنہ ۱۴۳۸ھ
برحق شیخ محمد یونس

سنہ ۱۴۳۸ھ
سرمایۂ انجمن وفات یافت

سنہ ۱۴۳۸ھ
شارح صحیح البخاری

سنہ ۱۴۳۸ھ
سلطان عصر ترجمان بخاری

سنہ ۱۴۳۸ھ
ولی پاک محدث عصر شیخ یونس

سنہ ۲۰۱۷ء
پاک ادا شیخ الحدیث سہارنپور

سنہ ۲۰۱۷ء
آہ حسن عالم افروز! رفتید ولے نہ از دل ما سنہ ۱۴۳۸ھ

اللہ پاک کی جوارِ رحمت میں! شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

مولانا عمرین محفوظ رحمانی (مالیگاؤں)

منگل کا دن تھا اور جولائی کی ۱۱ر تاریخ، دن کے کوئی ساڑھے دس بج رہے ہوں گے، یہ عاجز و فقیر اپنے مرشد گرامی حضرت مولانا ولی رحمانی اطال اللہ بقاءہ کی خدمت میں حاضر ہوا، علیک سلیک کے بعد دفعتاً حضرت محترم نے یہ روح فرسا خبر سنائی کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوری ابھی تھوڑی دیر پہلے انتقال کر گئے، بے اختیار زبان سے نکلا۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون! اللھم ارحمه و اغفر له و أدخله فسيح جناتک یا أرحم الراحمین دل سے آواز آئی۔ آہ! کیسی بڑی علمی شخصیت اٹھ گئی، کتنا عظیم محدث رخصت ہوا، علم کا جویا، بحر تحقیق کا شناور، اور زہد و قناعت کا پیکر راہی ملک عدم ہوا۔؎

چراغ وہ بجھا جس کی لو قیامت تھی

دن بھر ان کی یاد آتی رہی، رہ رہ کر ان کا منور چہرہ نظروں کے سامنے آجاتا، دل خیالات کی آماجگاہ ہے، طرح طرح کے خیالات آتے ہیں، گزر جاتے ہیں، کبھی سوچتا کہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ان کے ہزار شاگردوں اور مریدین پر کیا گزری ہوگی، ان کا عدیم المثال استاذ اور محبوب شیخ آج عالم آخرت کی طرف منتقل ہوا، مظاہر علوم کے در و دیوار کس درجہ ماتم کناں ہوں گے، دارالحدیث کا ذرہ ذرہ مصروف گریہ و بکا ہوگا کہ نصف صدی تک ان کو اللہ اور اس کے پاک رسول اللہ ﷺ کے مبارک ناموں سے منور اور معطر کرنے والا آج ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا، حضرت مرحوم کے دیرینہ رفیق اور ان کے مخدوم زادے مولانا طلحہ

صاحب دامت برکاتہم آج اپنے آپ کو کس قدر تنہا اور اکیلا محسوس کر رہے ہوں گے! شاید وہ ان گلیاریوں کو جہاں دونوں ساتھی اکٹھے چلتے پھرتے تھے، حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہے ہوں گے، اور شجیع کا یہ بلیغ شعر پڑھتے ہوں گے ع

شجیع آج تنہا چمن کو گئے تھے	بہت ان کے نقش قدم یاد آئے

پھر معاً یہ خیال آیا کہ آج حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ عالم برزخ میں کتنے خوش ہوں گے، ان کا مایۂ ناز شاگرد رشید، ان کا بافیض مرید و خلیفہ، ان کی درس گاہ کا باکمال اور عدیم المثال فیض یافتہ، ان کے علوم و معارف کا امین اور ان کی مسند تدریس کا سچا جانشین، آج عالم دنیا سے عالم برزخ کی طرف آ رہا ہے، اللہ اللہ استاذ و شاگرد دونوں بانصیب! استاذ مشفق و جاں نثار، تو شاگرد بھی محب صادق اور عاشق زار، استاذ نے اپنی مسند تدریس شاگرد کی کم عمری کے باوجود اس کے سپرد کر کے اعتماد و اعتبار اور شفقت و قدردانی کی مثال قائم کی، تو شاگرد نے بھی مرتے دم تک مسند تدریس کا حق ادا کر کے تعمیل حکم اور وفاشعاری کا بیش بہا نمونہ پیش کیا، کون جانتا تھا جونپور کی خاک سے ایک ایسا بچہ اٹھے گا، جو زوال علم و فن کے دور میں کمال علم و فن کی نظیر قائم کرے گا، عرب و عجم میں اپنے علم کا لوہا منوائے گا، اور جب دنیا سے رخصت ہوگا، تو اپنے پیچھے علم و دانش کے مراکز کو اس طور پر سونا کر جائے گا کہ لوگ کہہ اٹھیں گے۔

اب نہ آئے گا نظر ایسا کمال علم و فن	گو دنیا میں آئیں گے بہت رجال علم و فن

یا اہل علم و نظر کی زبان میں ع

هيهات لا يأتى الزمان بمثله	فان الزمان بمثله لبخيل

یادش بخیر! آج سے ۲۱؍سال پہلے کی بات ہے، میرے بچپن کی عمر تھی، والد ماجد حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمیؒ (سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں) نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو مدرسہ بیت العلوم کی تقریب ختم بخاری شریف میں مدعو کیا، حضرت مرحوم سفر سے متوحش تھے، یکسو رہنے والے، تدریس میں ہمہ وقت مشغول، مطالعہ کے رسیا، پھر مدرسہ کا نام بھی نیا، داعی سے بھی کوئی تعارف نہیں، انہوں نے آنے سے معذرت کرلی، عارف باللہ حضرت قاری صدیق صاحب باندویؒ کو کسی ذریعے سے علم ہوا، انہوں نے سفارش فرمائی، اور یہ کہا کہ ''مولوی محفوظ مخلص اور متقی عالم ہیں، آپ کو ان کی دعوت قبول کرلینی چاہیے'' حضرت مرحوم نے حضرت قاری صاحب کی سفارش کے بعد منظوری دی، مالیگاؤں تشریف آوری ہوئی، یہ ۱۹۹۶ء کی بات ہے، مدرسہ بیت العلوم میں زبردست تقریب ختم بخاری شریف منعقد ہوئی، والد ماجد علیہ الرحمۃ والرضوان کا معمول تھا کہ وہ تقریب ختم بخاری شریف میں تشریف لانے والے علماء اور اکابر کا تعارف اپنے منفرد اور عالمانہ انداز میں کرواتے تھے، ان کی پندرہ بیس منٹ کی تعارفی تقریر بہت ہی معلوماتی، عالمانہ اور ادبیت سے بھرپور ہوتی تھی، وہ بولتے کیا تھے موتی رولتے تھے، اس مختصر سی تقریر کے لیے پندرہ بیس دن پہلے سے تیاری کرتے، کتابیں کھنگالتے، جرائد ومجلّات کے مضامین پڑھتے، آنے والے مہمان کا شجرۂ نسب معلوم کرتے، ان کی خوبیوں اور امتیازات کی فہرست تیار کرتے، پھر معلومات کو بڑے سلیقہ سے مرتب فرماتے، اور تقریب والے دن ان کی گل افشانی گفتار دیدنی ہوتی، سامعین محظوظ ہوتے اور مہمان متحیر کہ اس بندۂ خدا کو اتنی ساری معلومات کہاں سے حاصل ہوئی؟ شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب کی تشریف آوری کے موقع پر انہوں نے کچھ زیادہ اہتمام سے تقریر مرتب کی، جب حضرت شیخ الحدیث

رونق افزائے مجلس ہوئے تو والد صاحبؒ کی تعارفی تقریر شروع ہوئی، ابتدا کے سات آٹھ منٹ نام ونسب، مولد ومنشا، تعلیم کے احوال اور اس سے متعلق باتوں کے بیان میں صرف ہوئے، حضرت شیخ الحدیثؒ سنتے رہے، پھر جب ان کے فضائل ومناقب، اوصاف وصفات، امتیازات وخصائص اور کارہائے نمایاں کا ذکر شروع ہوا، تو ان کی پیشانی پر شکن آ گئی، اچانک بلند آواز سے ارشاد ہوا ''نہیں یہ سب مت بیان کیجیے!'' والد صاحبؒ ذرا رُکے اور پھر سلسلۂ کلام آگے بڑھایا، چند جملوں کے بعد پھر حضرت شیخ نے ٹوکا، والد صاحب رُک گئے، پھر کچھ کہنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ حضرت شیخ نے فرمایا: ''مولوی محفوظ! اب اگر کچھ کہو گے، تو میں اٹھ کر چلا جاؤں گا!'' اللہ اللہ! فنائیت اور تواضع کا کیسا اونچا مقام حاصل تھا اور کیوں نہ حاصل ہوتا کہ یہ باکمال انسانوں کی پہچان ہے۔

فروتنی ست دلیل رسیدگان کمال

کہ چوں سوار بمنزل رسد پیادہ شود

حضرت شیخ الحدیثؒ کی پہلی اور آخری زیارت اسی موقع پر نصیب ہوئی، والد صاحبؒ کا معمول تھا کہ اکابر علما کی آمد کے موقع پر اپنے بچوں کو ان کی خدمت میں پیش کر کے ان سے دعا کرواتے تھے، یاد پڑتا ہے کہ حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضری اور ان کی شفقت سے مالا مال ہونے کا موقع ملا، اور اوپر جو واقعہ مذکور ہوا وہ تو کم عمری کے باوجود خوب یاد ہے، واقعہ کی تکمیل کے طور پر اتنا عرض کردوں کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیش بہا تقریر میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''مولوی محفوظ نے میرے خاندان وطن اور حسب نسب کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے، اس کا کچھ حصہ میرے لیے بھی نیا ہے'' اور والد صاحبؒ تقریب کے ختم پر جب حضرت شیخ کی قیام گاہ پر تشریف فرما ہوئے تو باادب عرض کیا کہ ''حضرت! آپ کی تقریر کا

غالب حصہ علماء کی سمجھ سے بالاتر ہے۔" حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ مسکرائے اور کچھ نہ فرمایا۔

بات سے بات نکلتی ہے، والد صاحب کا معمول نوجوانی سے بالوں والی اونچی کشمیری ٹوپی پہننے کا تھا، زلفی بال تھے، رعب دار چہرہ مہرہ، بالوں والی ٹوپی انہیں خوب جچتی تھی، جب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری ہوئی اور والد صاحب نے ان کا استقبال فرمایا، تو والد صاحب کی ٹوپی دیکھ کر حضرت شیخ منقبض ہوئے، ارشاد ہوا "یہ کیا ٹوکری سر پر اٹھائے پھرتے ہو۔" اللہ پاک حضرت والد صاحبؒ کے درجے بلند فرمائے، ان کے اندر بڑوں کا کیسا اکرام اور ان کے احکامات کی تعمیل کا کیسا جذبہ تھا، شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو قیام گاہ پہنچا کر گھر لوٹ آئے، بالوں والی ٹوپی اٹھا کر الماری میں رکھ دی، ایک گول ٹوپی (جو وہ حج کے سفر سے لائے تھے) پہن کر پھر حاضر خدمت ہوئے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا تو بہت خوش ہوئے، خوب دُعا دی، حاضرین سے فرمایا: "مولوی صاحب میں انقیاد کا جذبہ ہے۔"

بات طویل ہوتی جا رہی ہے، لیکن ایک واقعہ اور سن لیجیے: مالیگاؤں کے قیام کے دنوں میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ مختلف مدارس میں بھی تشریف لے گئے، ایک مدرسہ کے دفتر میں تشریف فرما تھے! سامنے مہتمم صاحب بیٹھے ہوئے تھے، نشست کا انداز ذرا بے ہنگم سا تھا، شاید انہیں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج کا اندازہ نہیں تھا، دو تین منٹ تو حضرت شیخؒ نے برداشت کیا، پھر یک بیک گویا ہوئے "آپ کو بیٹھنے تک کا سلیقہ نہیں ہے، آپ مدرسہ کیسے چلاتے ہوں گے" یہ جملہ ان کے مزاج کی نزاکت کا غماز ہے، مشہور ہے کہ حضرت شیخؒ کے مزاج میں جلال تھا، اور اس کی بعض ایسی درسگاہی روایتیں بھی مشہور ہیں، جن پر یقین کرنا مشکل ہے، لیکن یہ بھی سچائی ہے کہ وہ اس جلال کا استعمال منکرات پر نکیر اور آداب و اخلاق کی تعلیم میں فرماتے تھے، اور کہیں یہ محسوس ہوتا کہ کہنے سننے میں کچھ زیادتی

ہو گئی ہے، تو معافی مانگنے میں بھی انہیں حجاب نہیں ہوتا تھا۔ حضرت شیخ کے شاگرد رشید مولانا محمد حنیف لوہاروی کی روایت ہے کہ تقریباً پانچ سال پہلے سفر حج میں مشہور خطیب مولانا طارق جمیل صاحب مدظلہٗ حضرت شیخ سے ملاقات کے لیے آئے، حضرت شیخ نے انہیں تنبیہ فرمائی ارشاد ہوا کہ ''تو بڑا خطیب بن گیا ہے، تیری بڑی شہرت ہے، تجھ میں کبر آ گیا ہے، اور کبر ہلاک کر دینے والا عمل ہے۔'' اسی ضمن میں چند سخت جملے بھی ارشاد فرمائے، مولانا طارق جمیل نے اپنی سعادت مندی سمجھ کر ڈانٹ سن لی، اس واقعہ کے کوئی تین سال بعد پھر ملاقات ہوئی تو حضرت شیخؒ نے ان سے معافی مانگی، فرمایا: ''میں نے تجھ کو بہت سخت سست کہہ دیا تھا، مجھ کو معاف کر دے، زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، اللہ کے یہاں جانا ہے، کسی پر زیادتی لے کر کیوں جاؤں؟'' مولانا محترم نے عرض کیا: آپ نے تو میری تربیت کے لیے کچھ باتیں کہی تھیں، ان پر معافی کا کیا سوال؟ بڑے ہی تو چھوٹوں کی اصلاح کرتے ہیں اور ان کے اعمال واخلاق کی نگرانی فرماتے ہیں۔'' اس واقعہ سے جہاں ان کی تواضع اور فروتنی کا اظہار ہوتا ہے، وہیں اس بات کا بھی کہ آخرت کی کیسی فکر اور عند اللہ جواب دہی کا کیسا احساس ان کے دل میں تھا! ان کے شاگردوں کا بیان ہے کہ ہر سال ختم بخاری شریف کے موقع پر جب نصیحت فرماتے، تو اور باتوں کے علاوہ یہ بھی فرماتے: میرے پیارو! میری کوئی صلبی اولاد تو ہے نہیں، جو میرے مرنے کے بعد مجھے ایصال ثواب کرے۔ تم لوگ ہی میری اولاد ہو، مر جاؤں تو یاد رکھنا اور ایصال ثواب کا اہتمام کرنا'' یہ کہتے کہتے آبدیدہ ہو جاتے تھے اور سننے والے طلبہ بھی یہ درد بھرے الفاظ وکلمات سن کر اشکبار اور بے قرار ہو جاتے، اللہ اکبر! آنے والے وقت کی کیسی فکر تھی اور آخرت کے لیے زادراہ کا کیسا اہتمام تھا!

حضرت شیخ الحدیثؒ کی امتیازی خوبی فن حدیث شریف میں ان کی مہارت تھی، اس

فن سے انہیں کامل مناسبت عمر کے ابتدائی حصہ سے تھی، اللہ پاک کی مہربانی کہ انہیں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ جیسا فنافی الرسول استاذ ملا، جو حدیث شریف کے درس وتدریس میں ایسے ممتاز اور فائق انسان تھے کہ ان کا نام ہی ''حضرت شیخ الحدیث'' پڑ گیا۔ اب برصغیر میں اگر صرف ''حضرت شیخ الحدیث'' کہا جائے تو ذہن انہیں کی طرف جاتا ہے، کامل استاذ سے باکمال اور ہونہار شاگرد نے بھرپور استفادہ کیا، اور استاذ کی زندگی ہی میں اس فن حدیث شریف میں ایسی مہارت بہم پہنچائی کہ بسا اوقات استاذ نے بھی اپنے باکمال شاگرد کی طرف رجوع فرمایا اور بعض احادیث کے سلسلہ میں استفسار کیا، پھر مکمل اعتماد کرتے ہوئے مسند درس حدیث ان کے حوالہ فرمادی۔ تدریس دورۂ حدیث کا پہلا سال تھا، جب ان کے عظیم اور مشفق استاذ نے ان کو ایک خوب صورت خط لکھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ خط یہاں درج کردیا جائے۔ خط کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے:

ابھی کمسن ہیں وہ کیا عشق کی باتیں جانیں
عرضِ حالِ دلِ بے تاب کو شکوہ سمجھے

''ابھی تدریس دورہ کا پہلا سال ہے اور اس سیاہ کار کو تدریس دورہ کا اکتالیسواں سال ہے اور تدریس حدیث کا سینتالیسواں سال ہے، اللہ تعالیٰ تمہاری عمر میں برکت دے اور مبارک مشغلوں میں تادیر رکھے جب سینتالیس پر پہنچ جاؤ گے تو ان شاء اللہ مجھ سے آگے ہوگے۔ فقط: زکریا ۷ رجب ۱۳۸۷ھ

اس پرچہ کو نہایت احتیاط سے کسی کتاب میں رکھیں اور چالیس سال کے بعد پڑھیں۔''

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنی جوانی کے دور سے فن حدیث شریف میں ممتاز تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے یہاں جب مسلسلات کا درس ہوتا تھا، تو اس دور کے

بڑے بڑے علماء بھی تشریف فرما ہوتے، اور مسلسلات کی عبارت پڑھتے تھے، لیکن حضرت شیخؒ عبارت خوانی میں ان سب پر سبقت لے جاتے اور ان کا امتیاز اور تفوق ظاہر ہوتا، پھر آہستہ آہستہ فن حدیث شریف میں ان کی امامت مسلم ہوتی گئی، اور اکابر اہل علم حدیث شریف سے متعلق تحقیق یا اشکال کے موقع پر ان کی طرف رجوع فرماتے، اور ان کا قول ''قول فیصل''، تسلیم کیا جاتا، اوپر گزر چکا کہ خود ان کے گرامی مرتبت استاذ اور محبوب شیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ بھی بسا اوقات تحقیق حدیث شریف کے سلسلے میں ان کی طرف رجوع فرماتے تھے، حضرت شیخؒ کے افادات پر مشتمل مجموعہ ''نوادر الحدیث'' میں اس طرح کے چند سوالات اور ان کا جواب درج ہے، بطور نمونہ ایک سوال اور جواب کا ذکر کیا جاتا ہے کہ اس سے حضرت شیخؒ کی وسعت نظر کا اندازہ ہوگا۔

''عزیزم مولوی یونس صاحب! بعد سلام مسنون مجھے یوں یاد ہے کہ ابوحمید ساعدی کی کسی روایت میں رکوع کے بعد ''حتی استقر کل عضو موضعه'' کا لفظ ہے جو اس وقت نہیں مل رہا ہے، مجھے تو ابوداود کا یاد ہے، اس میں تو یہ لفظ نہیں ملا اور طحاوی میں اور نسائی میں قومہ کے اندر اگر یہ لفظ ملے یا اس کے معنیٰ تو ڈھونڈ کر لکھ دیں۔'' حضرت شیخ (بقلم سلمان)

جواب: ابوحمید الساعدی کی حدیث طحاوی میں کئی جگہ ہے، اول (ص ۱۱۶) ثانی (ص ۱۳۱) ثالث (ص ۱۴۵) رابع (ص ۱۵۲) (ص ۱۵۳) اس میں تو یہ لفظ ملا نہیں، البتہ نسائی (ص ۱۱۸) میں حضرت عقبہ بن عمرو کی روایت بایں الفاظ ہے، عن عقبة بن عمرو قال: ألا أصلی لکم کما رأیت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم یصلی، فقلنا بلی فقام فلما رکع وضع راحتیه علی رکبتیه وجعل أصابعه من وراء رکبتیه وجافی إبطیه حتی استقر کل شیئ منه، ثم صنع کذلک أربع رکعات ثم قال هکذا رأیت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم یصلی وهکذا کان

یصلی بنا . اس کے بعد ابن ماجہ (ص ۷۵) میں ابوحمید الساعدی ہی کی حدیث میں مل گیا: و لفظه ثم یقول سمع الله لمن حمده و یرفع یدیه حتیٰ یحاذی بهما منکبیه حتی یستقر کل عظم إلی موضعه اور بخاری شریف میں و إذا رکع أمکن یدیه من رکبته ثم هصر ظهره فإذا رفع رأسه استویٰ حتی یعود کل فقار مکانه وارد ہے۔ سوال کے وقت یہ کتابیں نہیں دیکھیں اس لیے حضرت اقدس نے نسائی وطحاوی کا ذکر کیا تھا، تو خیال ہوا کہ حضرت نے بخاری شریف دیکھ لی ہوگی۔

بندہ محمد یونس عفی عنہ''

(بحوالہ: نوادر الفقہ/ ۳۹)

حضرت شیخؒ کی سند حدیث بھی عالی سند تھی، ایک سند تو ان کی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اور ان کے استاذ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نور اللہ مرقدہ سے ہوتی ہوئی حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ تک پہنچتی ہے، اس سے اگلی سند مشہور ہے، دوسری سند حضرت مولانا فخر الدین احمد مرادآبادیؒ اور ان کے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی نور اللہ مرقدہ کے واسطے سے حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ تک پہنچتی ہے اور اس سے آگے پہلی سند اور یہ دوسری سند باہم مل جاتی ہے۔ تیسری سند حدیث جو واسطوں کی کمی (قلت وسائط) کی وجہ سے انتہائی عالی ہے، وہ یہ ہے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ حضرت شاہ فضلِ رحمٰن گنج مرادآبادیؒ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی برد اللہ مضجعہ، مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ، اس سند میں ان کے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے درمیان صرف چار واسطے ہیں، سند حدیث پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت شیخؒ کو ماضی قریب کی تین عظیم اور بافیض

شخصیات سے بیک واسطہ یا دو واسطوں کے ذریعے سند حدیث حاصل ہے، وہ تین شخصیات یہ ہیں: (۱) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہ (۲) فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ (۳) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اعلی اللہ مقامہ، جن حضرات کو حضرت شیخؒ کی اسانید کی تفصیل دیکھنی ہو وہ ''نوادر الحدیث'' یا ''الیواقیت الغالیۃ'' ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت شیخؒ کی تدریس حدیث کا سلسلہ ۱۳۸۱ھ سے شروع ہوا اور تادم زیست جاری رہا، کل مدت تدریس ۵۷ ؍سال ہے۔ یہ کیسی نصیبہ وری اور خوش بختی ہے کہ اتنی طویل مدت تک حضرت شیخؒ کو حدیث شریف پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی اور وہ بھی اس شان کے ساتھ کہ پورے برصغیر میں اس فن شریف میں ان کی مہارت اور ان کی امتیازی شان مسلم تھی، حدیث شریف سے مکمل مناسبت اور طویل ترین مدت تدریس اور اس فن کی غیر معمولی خدمت کی بنا پر وہ بجا طور پر یہ کہنے کے حقدار تھے کہ ؎

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

فن حدیث کے سلسلہ میں ان کی مہارت ، اسماء الرجال پر گہری نظر، احادیث شریفہ کی باریکیوں سے واقفیت کے بارے میں تو انہیں لکھنے کا حق حاصل ہے، جنہوں نے ان سے استفادہ کیا، اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ لیکن ہم جیسے دور افتادہ افراد کو بھی ان کی کتاب ''الیواقیت الغالیۃ'' اور ''نوادر الحدیث'' پڑھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ فن حدیث شریف میں ان کی نگاہ کتنی وسیع تھی، مولانا محمد ایوب سورتی حفظہ اللہ اور مولانا محمد زید مظاہری ندوی زیدت مکارمہ پوری علمی دنیا کی جانب سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان دونوں حضرات نے

حضرت شیخؒ کے علوم کو مرتب کر کے ایک علمی تحفے کی حیثیت سے پیش کیا، فجزاھما اللہ عن أهل العلم خير الجزاء. افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حضرت شیخؒ کے علوم کو جس طرح مرتب کرنا چاہیے تھا اور ان کے معارف کو جس وسیع پیمانے پر عام کرنے کی ضرورت تھی، وہ ان کی حیات میں نہیں ہوسکا، کاش کہ اب ان کے تلامذہ اس کی فکر کریں اور ان کے غیر مطبوعہ رسائل اور شاگردوں کے پاس علمی تقریروں اور درسی افادات کو مرتب کر کے شائع کریں کہ یہ ایک بڑا علمی قرض ہے، بحیثیت شاگرد اُن کا فرض بھی اور حضرت شیخؒ کو بہترین خراج تحسین بھی۔

نوادر الحدیث کے علاوہ خاص حدیث شریف سے متعلق ''نبراس الساری إلی ریاض البخاری'' اور نعمت الباری بھی افادات کے مجموعے ہیں، اسی طرح مولانا محمد زید مظاہری ندوی زید مجدہ کی ترتیب دادہ کتاب ''نوادر الفقہ'' بھی گراں قدر علمی تحفہ ہے، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شیخؒ کی نگاہ فقہی علوم پر بھی بڑی گہری تھی ''نوادر الفقہ'' میں مسائل کا بیان اس انداز پر نہیں، جو کہ عموماً فقہ وفتاویٰ کی کتابوں میں ہوتا ہے، بلکہ اس میں محدثانہ شان اور تحقیقی رنگ غالب ہے اور بعض مسائل کے ضمن میں احناف کے معمول بہ مسائل پر احادیث سے ایسے دلائل بیان ہوئے ہیں، جن کے مطالعہ سے اس یقین میں اضافہ ہوتا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کتاب وسنت کا عرق نکال کر فقہ حنفی کی شکل میں پیش کیا ہے۔

حضرت شیخؒ سے جب مرتبِ کتاب نے اس کتاب (نوادر الفقہ) پر مقدمہ تحریر فرمانے کی گزارش کی، تو حضرت شیخ نے چند مختصر جملے لکھوائے، یہ جملے بھی کیسے سادہ ہیں، اور لفظ لفظ سے کیسی فروتنی اور عاجزی جھلک رہی ہے، آپ بھی پڑھ لیجیے۔

''یہ چند علمی خطوط کے جوابات ہیں، ان کے لکھنے میں نہ تحریر الفاظ پیش نظر ہے، نہ خوشنمائی مقصود ہے، اور نہ یہ خوشنمائی کا ذریعہ ہیں، اس لیے شائع کیے جارہے ہیں کہ شاید طلبہ کو نفع ہو جائے، اگر اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں، ان کا کرم ہے، علماءِ کرام سے گزارش ہے کہ اس کو دیکھیں، اگر کسی مقام پر سقم معلوم ہو تو مجھے اطلاع کر دیں تاکہ بعد وضوح حق اس کی اصلاح کی جاسکے۔'' (نوادر الفقہ ۲۶)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونسؒ پر اگرچہ کہ عالمانہ رنگ اور محدثانہ شان غالب تھی، لیکن انہوں نے تزکیۂ قلب پر بھی پوری توجہ دی اور تصوف وسلوک کی راہ طے کرنے کے لیے اپنے استاذ گرامی مرتبت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ ہی کا بحیثیت مرشد انتخاب فرمایا۔ بیعت کا واقعہ خود ان کے سادہ اور پرکار الفاظ میں یہ ہے۔

''ابتداءً بالکل بچپن میں تو طبیعت کا رجحان تھا لیکن بعد میں بعض وجوہات سے یہ خیال نکل گیا اور یہی نہیں، بلکہ کچھ اس کی اہمیت ہی نہیں رہی، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب علیہ الرحمۃ نے بعض خطوط میں ناراضگی کا اظہار بھی کیا، اور لکھا: ''تزکیہ ضروری ہے'' لیکن اس وقت کتابوں کی طرف غیر معمولی رجحان تھا، ادھر بالکل التفات ہی نہیں، بلکہ ایک مرتبہ جب حضرت نور اللہ مرقدہ اپنے دار التصنیف میں تشریف فرما تھے اور میں حسب معمول حاضر ہوا، تھوڑی دیر کے بعد سوال کیا، کیا بیعت ہونا ضروری ہے؟ حضرت نور اللہ مرقدہ نے ارشاد فرمایا: ''بالکل نہیں'' پھر ایک زمانہ گزر گیا، بہت سے لوگ بیعت کی طرف توجہ دلاتے تھے، جیسے مولانا منور حسین صاحب، مولانا عبدالجبار صاحب اور بعض اصرار کرتے تھے، جیسے صوفی انعام اللہ صاحب، مگر کچھ التفات ہی نہیں تھا۔ اچانک رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ کے عشرۂ اخیرہ میں خیال پیدا ہوا اور بہت زور سے، حضرت نور اللہ مرقدہ سے عرض کیا، حضرت

نے فرمایا: ''بیعت میں انقیاد اور عدم تنقید ضروری ہے، استخارہ کر لے۔'' میں نے عرض کیا: حضرت! میں نے دعا کی ہے، اس زمانہ میں اپنی دعا پر بڑا اعتماد تھا، مگر حضرت نے فرمایا کہ ''استخارہ کم از کم تین مرتبہ اور رات گزرنا اور سونا ضروری نہیں ہے۔'' تیسرے استخارہ میں خواب دیکھا، مولانا اکرام صاحب فرما رہے ہیں کہ ''مدرسہ قدیم آجاؤ، آباد ہو جائے گا'' ہمارا قیام اس زمانہ میں دارالطلبہ قدیم میں ہو چکا تھا، حضرت نے سن کر فرمایا: ''یہ خواب امید افزا ہے۔'' ایک دن رمضان میں ظہر بعد اپنے خلوت خانہ میں طلب فرما کر بیعت فرمایا۔ میں نے اس سے پہلے عرض کیا تھا کہ حضرت! جب عمومی بیعت ہوتی ہے میں بھی سب کے ساتھ شامل ہو جاؤں گا، مگر حضرت نور اللہ مرقدہ نے انکار فرمایا۔ ایک بات یہ بھی لکھ دوں کہ اس وقت بعض ایسے مشائخ کبار حیات تھے، جن سے بندے کو بہت عقیدت تھی، لیکن بیعت میں حضرت نور اللہ مرقدہ ہی کی طرف طبعی رجحان تھا اور عقلاً بھی رجحان تھا، نیز یہ بھی کہ حضرت استاذ تھے اور پھر قریب بھی تھے۔'' (خود نوشت حالات زندگی)

بیعت کے بعد اذکار و اشغال میں لگے، ''اشتغال بالحدیث'' نے ویسے ہی دل کو چمکا دیا تھا، اب ایک شیخ کامل سے تعلق اور ان کی کڑی نگرانی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا، بہت جلد مراحل سلوک طے ہوئے اور حضرت شیخ الحدیثؒ نے انہیں اجازت و خلافت سے نوازا۔ خلافت کے وقت یہ قصہ بھی پیش آیا کہ مرشد کامل نے ارشاد فرمایا: ''میں تجھے تین چار سال سے اجازت دینا چاہتا تھا، مگر تیرے اندر تکبر ہے'' شیخ پر خدا تعالیٰ کی رحمتیں ہوں، یہ سن کر اپنے دل کو ٹٹولا، کسی طرح کا کوئی تغیر نہ پایا، اور جب مرشد کے پاس سے واپس ہوئے تو خود ان کے بقول ''جب مدرسہ قدیم کے دروازے پر پہنچا، تو ایسا معلوم ہوا کہ سینہ میں کوئی چیز داخل ہو گئی۔ اس کی تعبیر الفاظ میں نہیں ہو سکتی، اور اس کے بعد دل میں ذکر کا ایک شدید

شوق پیدا ہو گیا۔''

حضرتؒ کو حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ (سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم) سے بھی اجازت و خلافت حاصل تھی۔

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ اللہ بڑی خوبیوں کے انسان تھے، ایک طرف جہاں ان کا علم و فضل مسلم تھا، وہیں ان کا زہد و استغنا اور ورع و تقویٰ بھی مثالی تھا۔

یہاں ان کے دو شاگردوں کے بیان کیے ہوئے دو واقعات درج کیے جاتے ہیں، جن سے حضرت شیخ علیہ الرحمۃ اللہ کے زہد و ورع، احتیاط و تقویٰ اور سخاوت و انفاق فی سبیل اللہ کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) مولانا یعقوب دہلوی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت شیخ حجاز تشریف لاتے تو بڑے بڑے علماء ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان سے استفادہ کرتے، ایک مرتبہ کے سفر حجاز میں حضرت شیخ کے حجازی تلامذہ نے اتنے ہدایا پیش کیے کہ ریال سے دو بڑی تھیلیاں بھر گئیں، جب مدینہ منورہ تشریف آوری ہوئی تو حضرت شیخ نے وہ ساری رقم مدینہ کے غرباء و فقراء پر تقسیم فرما دی، اپنی ضرورت کے لیے کچھ بھی بچا کر نہ رکھا، یہاں تک کہ واپسی کے وقت ائیر پورٹ پر مجھ سے فرمایا کہ مجھے ۱۰۰/ ریال اس شرط پر قرض دے دو کہ مجھ سے واپس لے لو گے۔

دوسرے شاگردوں کا بھی بیان ہے کہ ہندوستان میں جو ہدایا حضرت شیخ کو پیش کیے جاتے اس کا بڑا حصہ مسجد نبوی میں قائم حفظ قرآن کے حلقوں پر صرف فرما دیتے۔

(۲) مولانا محمد حنیف لوہاروی مدظلہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت شیخ علیہ الرحمۃ اللہ کی خدمت میں پچیس ہزار روپے پیش کیے، حضرت نے اپنے یہاں آنے

والے مہمانوں کی ضیافت پر یہ رقم خرچ کردی، کچھ عرصہ کے بعد اس شخص نے بتایا کہ جو رقم میں نے آپ کو دی تھی، وہ زکوٰۃ کی رقم تھی، اتنا سننا تھا کہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ بے چین ہو گئے، فرمایا: ''آپ کو دیتے وقت صراحت کردینی تھی وہ رقم تو ہم نے مہمانوں پر خرچ کردی'' اس کے بعد مختلف اوقات میں تقریباً چھ لاکھ روپے[1] خود میرے ہاتھ سے مدرسہ میں دلوائے، اس کے بعد بھی فرماتے تھے کہ زکوٰۃ کی رقم استعمال ہوگئی، مجھے اب تک اطمینان نہیں ہوتا۔

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی ولادت ۱۳۵۵ھ (مطابق ۱۹۳۷ء) میں ہوئی، اور وفات ۱۴۳۸ھ (مطابق ۲۰۱۷ء) میں، قمری تقویم کے اعتبار سے ۸۳ / سال عمر ہوئی، حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے علوم دینیہ سے لبریز زندگی گزاری اور وقت مقررہ پر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو گئے، وہ عوامی عالم نہیں تھے، وعظ و تقریر سے بھی مناسبت نہیں تھی، شروع سے کم آمیز رہے، ان کی شہرت عوامی حلقوں میں کم اور خواص کے طبقے میں زیادہ تھی، لوگوں کا یہ اندازہ تھا کہ ان کے جنازے میں عوام کا رجوع کم ہوگا، لیکن اندازہ غلط ثابت ہوا، اور ان کی رحلت کی خبر پاتے ہی انسانوں کا ایک سیلاب اُمڈ پڑا، محتاط اندازے کے مطابق دو سے ڈھائی لاکھ افراد نے ان کے جنازے کی نماز پڑھی، اور ایک مرتبہ پھر امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کے تاریخی فقرے ''بیننا و بینکم الجنائز'' (ہماری مقبولیت کا اندازہ ہمارے جنازے سے ہوگا) کی یاد تازہ ہوگئی، فدوی عظیم آبادی کا برمحل شعر کیسے موقع سے یاد آ گیا ؎

چل ساتھ کہ حسرت دل محروم سے نکلے	عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

اہل علم و فضل اور ارباب دین و دانش نے اشکبار آنکھوں کے ساتھ حضرت شیخؒ کو

---

[1] و فیہ نظر۔ مولانا محمد حنیف صاحب کے ہاتھ سے تو ڈھائی لاکھ ہی دلوائے، اس کے علاوہ حضرت شیخؒ نے خود مختلف اوقات میں ساڑھے تین لاکھ تک دلوائے۔ (بہار نبوت ۱/ ۵۹) ط۔س۔

سپرد خاک کیا، کیا عجب کہ بوقت تدفین کسی سوختہ دل نے بزبان حال کہا ہو۔

جان کر من جملہ خاصان میخانہ تجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

(جگر مرادآبادی)

اللہ تعالیٰ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے ان کے مراتب بلند فرمائے۔ ان کے تمام شاگردوں اور مریدوں کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

(بشکریہ ماہنامہ الفرقان اگست ۲۰۱۷ء)

رأس التواضع

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں: تواضع کی اصل یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو اس شخص سے کم تر سمجھو، جس کے پاس دنیا کی نعمتیں تمہارے مقابلے میں کم ہیں، یہاں تک کہ اسے یقین ہو جائے کہ آپ کو دنیوی اعتبار سے اس پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اور یہ کہ تم اپنے آپ کو اس شخص سے برتر سمجھو جس کے پاس دنیا کی نعمتیں تمہارے مقابلے میں زیادہ ہیں۔ یہاں تک کہ اسے یقین ہو جائے کہ اس کو دنیوی اعتبار سے آپ پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ (موسوعۃ الاخلاق ۱/ ۲۹۸)

میرے عظیم استاذ

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

رئیس الجامعہ دار العلوم کراچی

حمد و ستائش اس ذات کے لیے ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا

استاذ الاساتذہ، رئیس المحدثین، بانی جامعہ فاروقیہ و صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب علیہ الرحمۃ کی عظیم دینی شخصیت کا دائرۂ خدمات بہت وسیع ہے، اور تدریس و تربیت، تحقیق و تصنیف اور تبلیغ و جہاد کے میدانوں میں تو دور دور تک اتنا پھیلا ہوا ہے کہ کسی ایک مضمون میں ان کو سمیٹنا مجھ جیسے کوتاہ قلم کے لیے ممکن نہیں۔

حضرت سے بندے کا تعلق اگرچہ گوناگوں جہتوں میں آخر تک رہا، لیکن گہرا تعلق جو سب تعلقات پر بھاری ہے، تلمذ اور شاگردی کا تعلق ہے، وہ میرے انتہائی شفیق و مہربان استاذ تھے، اپنے اسی تعلق کے حوالہ سے کچھ حالات و واقعات، اور جذبات و احساسات تحریر میں لانا چاہتا ہوں۔ لیکن افسوس کہ بندہ تحریر کے سلسلہ میں بہت کوتاہ اور سست واقع ہوا ہے، ڈر ہے کہ اس غیر اختیاری کوتاہی کی وجہ سے اپنے محترم و عظیم و شفیق استاذ کے بارے میں جو جذبات و احساسات دل میں ہیں، ان سب کو بیان کرنے سے بھی بندہ قاصر

رہے گا۔ تاہم "مالا یدرک کله لا یترک کله" کے اصول پر عرض ہے:

بندہ کو حضرتؒ سے تعلق کی سعادت اسی سال ملی، جب دارالعلوم کراچی، نانک واڑے سے منتقل ہو کر ایک پرانے گاؤں "شرافی" کے قریب لق ودق صحرا میں قائم ہوا، اس وقت یہاں نہ کورنگی ٹاؤن آباد ہوا تھا، نہ لانڈھی کالونی بنی تھی، نہ ڈیفنس سوسائٹی کا دور دور تک کوئی تصور تھا، بس جھاڑیوں اور ریت کے ٹیلوں سے اٹا ہوا ریگستان تھا، جو ساحل سمندر تک چلا گیا تھا، کراچی کی آبادی تقریباً بارہ، تیرہ میل کے فاصلے پر تھی، جہاں جانے کے لیے کوئی سڑک بھی نہیں تھی، اسی ریگستان میں اونٹ گاڑیوں کے ذریعے گزرتے رہنے کی وجہ سے ایک کچی سڑک سی بن گئی تھی، جب ہم یہاں سے گھر جاتے تو کہتے تھے کہ "کراچی جا رہے ہیں" اور جب واپس آتے تو کہتے تھے کہ "شرافی جا رہے ہیں" بندے کے ساتھ برادر عزیز مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ بھی اور ہمارے بھانجے مولانا حکیم سید مشرف حسین صاحب مرحوم بھی منتقل ہوئے، یہاں ہم تینوں کا قیام ایک ہی کمرے میں تھا، یہاں جن اساتذۂ کرام سے ہم دونوں بھائیوں کو نیا نیا شرفِ تلمذ حاصل ہوا وہ تین بزرگ تھے، یعنی حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی علیہ الرحمۃ حضرت مولانا اکبر علی صاحب سہارنپوری علیہ الرحمۃ، اور حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب علیہ الرحمۃ کا تعلق بھارت صوبہ یوپی، ضلع مظفر نگر کے ایک ایک قصبے جلال آباد سے تھا، وہیں سے ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے تھے، اور یہاں دارالعلوم ٹنڈو الہ یار (سندھ) کے مدرسے میں کچھ عرصہ فرائض تدریس انجام دینے کے بعد ۵ شوال المکرم ۱۳۷۶ھ کو مع اہل خانہ دارالعلوم کراچی تشریف لے آئے۔ (۱)

---

(۱) حساب نکال کر دیکھا تو شمسی کیلنڈر کے حساب سے یہ تاریخ ۶ مئی ۱۹۵۷ء بنتی ہے، عجیب حسن اتفاق ہے کہ اس تاریخ سے پورے ۹ سال پہلے جب ہم ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان (کراچی) پہنچے تو وہ بھی ۶ مئی =

ہمارے دینی مدارس کا تعلیمی سال ماہِ شوال سے شروع ہوکر شعبان میں ختم ہوتا ہے، اس طرح ہمارا یہ تعلیمی سال شوال ۱۳۷۶ھ سے شروع ہوکر شعبان ۱۳۷۷ھ میں ختم ہوا۔ ہم نے اس تعلیمی سال یعنی ۷۷-۱۳۷۶ھ میں حضرت والا سے دو اہم کتابیں پڑھیں، ایک فقہ کی مشہور ترین نصابی کتاب ہدایہ اخیرین، دونوں جلدیں یہ درس صبح کے پہلے دو گھنٹوں میں ہوتا تھا، دوسری فلسفہ کی مشہور کتاب میبذی۔

ان دنوں دروس میں بلکہ بعد کے بھی تمام دروس میں پابندیٔ وقت آپ کا خصوصی امتیاز تھا، ناغے اور رخصت لینے سے ہر ممکن اجتناب فرماتے تھے، آپ سبق بہت ذوق وشوق سے پڑھاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ طلبہ بھی ان کا درس بڑے انہماک سے سنتے تھے۔ آپ اس کا خاص اہتمام فرماتے تھے کہ جب تک تمام طلبہ کو بات سمجھ میں نہ آجائے، سبق کو آگے نہیں پڑھاتے تھے۔

ہم نے پچھلے سال نانک واڑے میں ہدایہ اولین اپنے عظیم وشفیق بہت ہی محبوب استاذ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب (ٹونکی) علیہ الرحمۃ سے پڑھی تھی، ان ہی کے فقیہانہ درس سے پہلی مرتبہ یہ بات دل نشین ہوئی تھی کہ علم فقہ انتہائی دقیق اور گہرا ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی دلچسپ فن بھی ہے، جس کے مسائل کی لذت آج بھی ایک قسم کی محویت عطا کر دیتی ہے۔ اسی طرح فلسفہ کا بھی مجھے شوق تو پہلے سے ضرور تھا، مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ اتنا

= کی تاریخ تھی، یعنی ۶ مئی ۱۹۴۸ء۔ اور مزید حسن اتفاق یہ کہ اس وقت بندہ جب کہ یہ سطریں لکھ رہا ہے، یہ بھی ۶ مئی کی تاریخ ہے یعنی ۶ مئی ۲۰۱۷ء مجھ جیسے شاگرد کے لیے اپنے استاذِ گرامی سے ایک گونہ مناسبت بھی فال نیک ہے۔ ضمناً عرض کر دوں کہ میری زندگی میں اور بھی کئی اہم خوشگوار واقعات مئی کے مہینے میں پیش آئے ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

دلچسپ فن ہے، یہ بات حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب علیہ الرحمۃ کے درس ہی سے سامنے آئی، اس کے بعد مجھے فلسفے سے خصوصی لگاؤ پیدا ہوا، اور الحمد للہ جدید فلسفے کے مطالعے کی بھی نوبت آئی، ساتھ ہی یہ بھی سوال پیدا ہوا کہ لوگ فلسفے کو مشکل فن کیوں سمجھتے ہیں، بلا شبہ یہ دقیق فن تو ضرور ہے لیکن مجھے کبھی مشکل محسوس نہیں ہوا یہ حضرت ہی کے درس کی برکت تھی۔

طلبہ کے ساتھ شگفتگی، بے تکلفی، شفقت اور سادگی آپ کے خاص اوصاف ہیں، جن کے باعث سبق کے علاوہ بھی آپ کے ساتھ ملاقات بہت دل کش اور پر لطف ہوتی تھی، آپ کے درس میں ہمیں تھکن کا احساس بالکل نہیں ہوتا تھا۔

اگلے تعلیمی سال ۷۷-۷۸ سنہ۱۳ھ (جو ''موقوف علیہ'' کا سال تھا) ہمارا کوئی سبق اگر چہ آپ کے پاس نہیں تھا، لیکن ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا شمس الحق خان صاحبؒ جو حضرت کے شاگرد خاص تھے، اور ان دونوں حضرات کا تعلق آپس میں دوستانہ سا تھا اور تقریباً ایسا ہی تعلق اب ہمارا حضرت مولانا شمس الحق صاحب علیہ الرحمۃ سے بھی ہو گیا تھا، اس طرح ان دونوں اساتذۂ کرام کے ساتھ ہمارے رابطے، بے تکلفی اور میل جول میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔

اس کے اگلے تعلیمی سال ۷۸-۷۹ سنہ۱۳ھ میں دورۂ حدیث میں جامع ترمذی کا سبق ہماری خوش نصیبی سے حضرت علیہ الرحمۃ کے پاس تھا۔ اس درس میں حضرت والا نے طلبہ پر ایک خاص عنایت یہ فرمائی کہ پورے درس کی تقریر کا املا کرواتے تھے، چناں چہ اس املا سے جو تقریر درس میری ضخیم کاپی میں تیار ہوئی، بحمد اللہ آج بھی محفوظ ہے اور پانچ سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے، آپ کی ہر تقریر وتحریر ہمیشہ نہایت منضبط، مرتب اور لفظی رعایتوں کے ساتھ بہت آسان ہوتی تھی، آخر حیات تک حضرت والا کی پیرانہ سالی کے باوجود اگر ضبط

تحریر میں لایا جاتا تو کسی لفظ کی کمی بیشی کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی - الا ماشاء اللہ- کبھی کبھی درس میں آپ کتاب جامع ترمذی کی عبارت خود بھی نہایت خوش الحانی کے ساتھ دیر تک پڑھتے جاتے تھے جس کا لطف آج بھی یاد آتا ہے۔

ترمذی کے سالانہ امتحان کا ایک واقعہ:

اس سال شعبان ۱۳۷۹ھ میں جب سالانہ امتحانات شروع ہوئے تو جامع ترمذی شریف کا امتحان جس دن ہونا تھا وہ ہفتہ کا دن تھا، ہم اس سے پہلے جمعرات کو حسب معمول ''کراچی'' گئے، ہمارا مکان اس زمانہ میں گارڈن ایسٹ میں لسبیلہ چوک کے پاس تھا جمعہ کی سہ پہر کو تقریباً چار بجے ''شرافی'' واپس جانے کے لیے روانہ ہوئے، بس میں لی مارکیٹ پہنچے، وہاں سے باون (۵۲) نمبر بس (جو شرافی گوٹھ والوں ہی کی تھی) پانچ بجے شرافی گوٹھ کے لیے جایا کرتی تھی، مگر جب ہم پہنچے تو بس بھر چکی تھی بلکہ کچھ لوگ چھت پر بھی سوار تھے، وہ روانہ ہوگئی۔

اب شرافی تک پہنچنا بہت بڑا مشکل مسئلہ تھا، یہ ایک دردناک داستان ہے کہ لی مارکیٹ سے صدر پہنچنے کے بعد ہم نے وہاں سے شرافی گوٹھ (دارالعلوم) تک کا سفر کس طرح طے کیا، کہیں پیدل بھی چل کر اور صحرا کو عبور کر کے رات کو تقریباً بارہ (۱۲) بجے دارالعلوم پہنچے، یہاں سب سو چکے تھے مطبخ بھی بند ہو چکا تھا، کھانا ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا، بھوکے ہی سو گئے، صبح امتحان کی تیاری کی دُھن میں ناشتے کا وقت بھی نہ مل سکا، مقررہ وقت کے مطابق صبح پونے آٹھ بجے امتحان گاہ میں پہنچے، امتحانات کی نگرانی اس زمانے میں عام طور سے اسی استاذ کے ذمے ہوتی تھی جس کے زیر درس وہ کتاب رہی ہو، چناں چہ جامع ترمذی کا امتحان تھا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی ہمارے نگران تھے، حضرت استاذ محترم رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے الحمد للہ ہم نے

جامع ترمذی بہت شوق اور محنت سے پڑھی تھی، جواب لکھنے بیٹھے تو وقت کا پتہ ہی نہ چلا، شاید بیس، بائیس سے بھی زیادہ صفحے پہلے ہی سوال کے جواب میں لکھے گئے، اور امتحان کا وقت جو غالباً بارہ بجے ختم ہونا تھا، وہ سر پر آ گیا لکھنے کے شغف میں بھوک کی طرف بھی دھیان نہیں ہوا حالاں کہ اس وقت تک ہم پر تقریباً اکیس گھنٹے کا فاقہ ہو چکا تھا۔

پریشانی اور حضرت والا کی شفقت:

بھوک سے بھی زیادہ پریشانی اس بات کی ہوئی کہ ابھی ایک یا دو سوالات کے جواب باقی تھے۔ جب کہ وقت ختم ہو چکا تھا، ہم نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر تقریباً سرگوشی کے انداز میں درخواست کی کہ وقت میں ہمیں مہلت دے دیجیے، حضرت ذوق و شوق اور محنت سے پڑھنے والے طلبہ کے ساتھ خصوصی شفقت فرمایا کرتے تھے، فرمایا: ٹھیک ہے تم جواب لکھو میں یہیں بیٹھا ہوں، حضرت نے گھر سے اپنا کھانا بھی وہیں منگوالیا۔ اس زمانہ میں چند اساتذۂ کرام کی رہائش یہاں تھی، وہ بھی کچے پکے چھوٹے چھوٹے مکانوں میں، حضرت والا کا قیام ایک چھوٹے سے مکان میں تھا، جو بعد میں کئی سال مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی کے زیر رہائش رہا، حضرت نے کھانا غالباً ہمارے لیے بھی منگایا تھا، مگر ہم تو شاید جواب لکھنے کے انہماک میں نہ کھا سکے، یہاں تک کہ ظہر کی اذان ہوگئی اور ہم نے اپنے پرچے حضرت کی خدمت میں پیش کر دیے۔ یہ بھی ہم پر حضرت کا اتنا بڑا احسان ہے کہ بھلایا نہیں جا سکتا۔ حالاں کہ اُس وقت ہم نے حضرت کو اپنی وہ بپتا بھی نہیں بتائی تھی جو اوپر بیان کی۔

دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد:

دورۂ حدیث کے بعد جب ہم پر تدریس کی ذمے داری آئی، تو اس زمانے میں

اگر چہ آپ سے درس کا تعلق باقی نہ رہا تھا، لیکن شام کو عصر سے مغرب تک ہم دونوں بھائی اور حضرت مولانا شمس الحق صاحب علیہ الرحمۃ حضرت کے گھر پر جمع ہو جاتے۔ اور کبھی گھومنے کے لیے باہر شرافی گوٹھ کے کھیتوں اور باغات وغیرہ میں بھی نکل جاتے، یہ بڑا پر کیف وقت ہوتا تھا، جب حضرت کے دولت خانے پر جمع ہوتے، تو حضرت کی طرف سے ہماری ایک خاص تواضع تمباکو والے مزے دار پان سے ہوتی تھی۔ ہمیں پان تمباکو کی عادت مشکوٰۃ (موقوف علیہ) کے سال سے پڑی ہوئی تھی۔

چناں چہ جب کبھی اس طرح کا اجتماع ہمارے کمرے میں ہوتا تو ہم بھی حضرت کی تواضع پان تمباکو سے کرتے تھے۔ یہ عادت ہمیں اس وجہ سے پڑی تھی کہ رات کو اسباق کی تکرار اور مطالعہ کے لیے دیر تک جاگنا ہوتا تھا، اور جب تک منہ میں پان رہے، نیند سے بچے رہتے تھے، دورۂ حدیث کے سال میں یہ عادت مزید بڑھی، اور تدریس کے زمانے میں تو اور بھی پختہ ہوگئی۔ چناں چہ ہمارے پاس بھی ایک پان دان تیار رہنے لگا۔

حضرت کی ایک اور شفقت ''پان کی عیاشی'':

ہم دونوں بھائی شدت سے محسوس کرتے تھے کہ یہ پان کی عادت صحت کے لیے تو مضر ہے ہی، اس کی ناز برداریوں میں وقت بھی بہت خرچ ہو رہا تھا، کبھی کتھا کم، چونا زیادہ، کبھی برعکس، اور کبھی تمباکو مزیدار، کبھی پھیکا، وغیرہ وغیرہ، پھر پانوں کو یہاں لق و دق صحرا میں فراہم کرنا، اور گلنے سے بچانا بھی ایک لمبا دھندا تھا، کچھ دنوں ہم یہ عادت چھوڑنے کی منصوبہ بندی کرتے رہے، بالآخر ایک دن ہم نے یہ عزم کر کے پان کھانا بالکل چھوڑ دیا کہ اب کبھی نہیں کھائیں گے۔

شام کو حضرت کے پاس حاضری ہوئی، حضرت علیہ الرحمۃ نے حسب معمول پان دان

ہمارے سامنے کر دیا، ہم نے صورت حال عرض کی، تو حضرت خاموش ہو گئے، کئی دن تک اسی طرح ہوتا رہا، اب حضرت صرف اپنے لیے پان لگاتے تھے۔

ایک دن شام کو حاضر ہوئے تو فرمانے لگے: بھئی ایک اہم بات آپ سے کہنی ہے۔ اس وقت حضرت بالکل سنجیدہ تھے، اور چہرے پر کچھ غم کے سے آثار تھے۔ فرمایا: دیکھو بھئی ہم پڑھنے پڑھانے والے لوگ ہیں، دینی مشغلے سے وابستہ ہیں، ہماری کوئی عیاشی نہیں، سینماؤں میں ہم نہیں جاتے، کھیل تماشوں میں ہمیں جانے کی فرصت نہیں، شراب بحمداللہ ہم نہیں پیتے، کسی قسم کی عیاشی میں ہمارا دخل نہیں، لے دے کہ صرف ایک عیاشی پان کھانے کھلانے کی تھی، وہ تم نے خراب کر دی۔ یہ بات کہتے کہتے حضرت اپنا پان منہ میں ڈال کر دو پان مزیدار تیار کر چکے تھے، وہ ہماری طرف بڑھادئے۔ حضرت کا عطیہ تھا کئی دن بعد کھایا تو مزہ بہت آیا، اور پھر وہی عادت دوبارہ پختگی کے ساتھ زندگی کا حصہ بن گئی۔ پھر بحمداللہ اب چند سال سے بندے کی یہ عادت چھوٹ گئی ہے۔ لیکن ایک مرتبہ حضرت کو ان کی وہ نوازش یاد دلائی تو حضرت بہت محظوظ ہوئے۔

اب ان واقعات کو اگر چہ سالہا سال گزر چکے اور دارالعلوم کراچی سے حضرت کا ضابطے کا تعلق بھی کبھی کا ختم ہو چکا ہے، حضرت کا اپنا مستقل ادارہ ''جامعہ فاروقیہ'' ملک کے مشہور و معروف جامعات میں شمار ہوتا ہے، ادھر وفاق المدارس العربیہ پاکستان جیسے ملک گیر عظیم ادارے کی صدارت بھی برسوں سے آخر حیات تک آپ کے ذمہ رہی، ان تمام گراں بار مشاغل کے باوجود ہمارے ساتھ اہم ملکی و ملی معاملات میں مشاورت کا سلسلہ اُسی شفقت و بے تکلفی کے ساتھ جاری رہا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو افہام و تفہیم کا ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ بڑے سے بڑے اختلافی معاملات میں بھی لوگ متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے اور مخالفت کی شدت میں

نمایاں کمی آجاتی تھی۔

ایک خاص ملکہ جو صرف بڑی شخصیات میں پایا جاتا ہے، آپ کا یہ تھا کہ آپ مختلف الخیال لوگوں کو مشترک مقاصد میں ساتھ لے کر چلنے کے عادی تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے محنت و جفاکشی کی عادت سے بھی مالا مال فرمایا تھا، ان تمام ملکات کا سب سے زیادہ مظاہرہ خاص طور پر وفاق المدارس آپ کی صدارت سے مستفید ہوتا رہا۔

آپ سے پہلے وفاق المدارس عملی میدان میں اتنا پیچھے تھا کہ بہت تھوڑے سے مدارس ہی اس سے ملحق تھے، ملک کے اکثر مدارس اور بڑے بڑے مدارس و جامعات اس سے الگ تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سربراہی میں ہی وفاق المدارس ایک ملک گیر ادارے کی شکل اختیار کرسکا، آپ نے نہایت محنت شاقہ اٹھا کر بے سروسامانی میں ملک کے تمام صوبوں، شہروں دیہات اور کونے کونے میں خود پہنچ کر، دینی مدارس کو ایک کڑی میں پرو دیا، یہ حکیمانہ محنت برسوں جاری رہی، جس کا نتیجہ آج ایک ایسے وفاق المدارس کی شکل میں موجود ہے کہ مسلک دیوبند کے تقریباً تمام چھوٹے بڑے دینی مدارس و جامعات، مکاتب قرآنیہ، اور مدارس البنات اس سے باقاعدہ اور باضابطہ ملحق ہیں۔ مسلک دیوبند کے جن مدارس و جامعات کا مختلف جماعتوں اور تنظیموں سے تعلق ہے، وہ بھی وفاق المدارس کی چھت کے نیچے بالکل ایک ہوتے ہیں۔ وفاق المدارس کے تحت پورے ملک کے کونے کونے تک پھیلا ہوا نظام امتحانات بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ ملک کے تمام سرکاری اور پرائیویٹ امتحانی نظاموں میں ایک ممتاز بلکہ منفرد مقام رکھتا ہے۔ وفاق المدارس کی ان تمام پراعتماد کامیابیوں، ہمہ گیریوں اور افادیت میں وفاق المدارس کے ناظمِ اعلیٰ جناب مولانا قاری حنیف جالندھری کی جان توڑ اور حکیمانہ کوششوں کو بھی بڑا دخل ہے، مگر موصوف کی یہ

افادیت بھی بڑی حد تک حضرت علیہ الرحمۃ اللہ ہی کی تربیت اور ہدایات کا عکس ہے۔

بعض دینی وملکی مسائل میں اور وفاق المدارس کے بعض انتظامی امور اور امتحانی نظام کے بعض مسائل میں حضرت علیہ الرحمۃ اللہ سے ہم ناچیز شاگردوں کو اختلاف بھی پیش آیا، بعض امور کی اصلاح ہوگئی اور بعض امور میں انتظار رہا۔ لیکن ہم تلامذہ پر آپ کی بے تکلفانہ شفقت، اور ناصحانہ دل فریبی میں تاحیات کمی نہیں آئی۔

آج جب کہ اس باکمال اور مشفق ومحسن استاذ کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا ہے، یوں محسوس ہورہا ہے کہ اچانک ہر طرف دھوپ ہی دھوپ پھیل گئی ہے۔ إِنا للہ وإِنا إِلیہ راجعون. لیکن اللہ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ وہ حضرت والا کی برکات سے محروم نہ فرمائیں گے۔ دل کی گہرائیوں سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی کامل مغفرت فرمائے، درجات عالیہ سے نوازے، اور ہم سب شاگردوں، مستفیدین ومتوسلین، اور احباب واقارب اور سب اہل خانہ کو صبر جمیل اور فلاح دارین عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

یادیں بہت ہیں لیکن حسرت اس پر ہے کہ اپنے شدید عوارض کے باعث بہت کچھ نہ لکھ سکا۔ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو قبول فرمالے۔ واللہ المستعان۔

کتبہ: محمد رفیع عثمانی

۱۶ / شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ

(بشکریہ: ماہنامہ البلاغ رمضان ۱۴۳۸ھ)

الخشوع فی الصلوٰۃ

از: محمد داود سورتی

بنی الإسلام علیٰ خمس کے پیشِ نظر اسلام کا دوسرا اہم رکن اقامت صلوٰۃ ہے۔ لیکن انتہائی افسوس کی بات ہے کہ امت کا ۹۰ ؍ فیصد طبقہ اس اہم فریضہ سے دور ہے، جس کو رسولِ خدا ﷺ نے دین کے لیے اساس و بنیاد قرار دیا ہے۔ (بخاری) جب فریضہ کی ادائیگی کا یہ حال ہے تو اس فریضہ میں مطلوبہ اشیاء یعنی خشوع و خضوع، اِنابت اِلی اللہ کا تو تصور ہی کجا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قربِ قیامت میں سب سے پہلے نماز سے خشوع اٹھا لیا جائے گا، چناں چہ بھری مسجد میں کوئی ایک شخص خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھنے والا نہ ہوگا۔ (فضائلِ نماز) اس لیے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ اپنی نماز کے اندر خشوع و خضوع پیدا کیا جائے جو نماز کا ایک عنصر ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمہ اپنی معرکۃ الآراء کتاب حجۃ اللہ البالغۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

”و أصل الصلوٰۃ ثلٰثۃ أشیاء أن یخضع القلب عند ملاحظۃ جلال اللہ و عظمتہ، و یعبر اللسان عن تلک العظمۃ و ذلک الخضوع بأفصح عبارۃ ،و أن یؤدب الجوارح حسب ذلک الخضوع.“ (نماز کے اصل عناصر تین ہیں: (۱) قلب اللہ تعالیٰ کی بے انتہا عظمت و جلال کے دھیان سے سرافگندہ ہو۔ (۲) دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اس عظمت و کبریائی اور اپنی عاجزی و سرافگندگی کو بہتر سے بہتر الفاظ میں اپنی زبان سے ادا کرے۔ (۳) تیسرے یہ کہ باقی تمام ظاہری اعضاء کو بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت اور اپنی عاجزی و بندگی کی شہادت کے لیے استعمال کرے۔

نماز کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے دربار میں قلب و قالب اور قول و عمل سے ایک خاص

طریقہ پر اپنی بندگی اور عاجزی کا اظہار کرنا، اور اللہ کی بلند و بالا عظمت کے سامنے اپنی فروتنی وانکساری کا مظاہرہ کرنا، اور اس بندگی و تذلل کا سب سے بڑا مظہر رکوع و سجود ہیں۔ سر اونچا رکھنا برتری و بالادستی کی علامت ہے اور اس کے برعکس اس کو جھکانا خاکساری اور نیازمندی کی علامت ہے۔ اور اپنے آپ کو رکوع کی شکل میں کسی کے سامنے جھکا دینا تواضع کی غیر معمولی شکل ہے، جو صرف خالقِ کائنات ہی کا حق ہے، اور سجدہ اس کی بالکل آخری اور انتہائی شکل ہے۔ اس میں بندہ اپنے نہایت محترم اعضاء پیشانی اور ناک کو خاک پر رکھ دیتا ہے۔

بنیادی طور پر نماز میں دو چیزیں ہیں: (۱) ظاہرِ نماز (۲) باطنِ نماز۔

ظاہر تو یہ ہے کہ نماز کے تمام ارکان و شرائط اور آداب و مستحبات کی رعایت کی جائے، اور جو لوگ نماز کے پابند ہیں، ان میں سے کچھ لوگ اس کا پورا لحاظ کرتے ہیں اور ظاہری ڈھانچہ کو اچھا اور عمدہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۲) باطنِ نماز یعنی نماز کو صفتِ احسان کے ساتھ خشوع خضوع کے ساتھ پڑھنا۔ اور اس سلسلہ میں بلا جھجک یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ نمازیوں کا ۹۹ ر فیصد طبقہ اس دولت گراں مایہ سے عاری و تہی دامن ہے۔ اس لیے ہم اپنی نمازوں کو خشوع و خضوع اور صفتِ احسان سے مزین کر کے بارگاہِ الٰہی میں پیش کریں گے، تو اس نماز کے ذریعہ ہونے والے اثرات کچھ جداگانہ ہوں گے۔ اس لیے ان چیزوں کو اولاً ہم سمجھنے کی تھوڑی کوشش کرتے ہیں۔

خشوع و خضوع کے معنیٰ:

اہلِ لغت نے خشوع اور خضوع کے معنیٰ بیان کیے ہیں: عاجزی، گڑگڑانا، فروتنی۔ البتہ خشوع میں ایک اور معنیٰ کی زیادتی ہے کہ کسی کے سامنے خوف و ہیبت کے ساتھ ساکن ہونا۔

حاصل یہ ہے کہ آواز میں تذلل اختیار کرنے کا نام خشوع ہے۔ قرآن کریم میں باری تعالیٰ

ارشاد فرماتے ہیں: وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ معلوم ہوا خشوع کا تعلق آواز سے ہے۔

اور خضوع نام ہے اندرونی عاجزی کا، جس کو اردو میں گڑگڑانا کہتے ہیں۔ آں حضرت ﷺ کی تہجد کے بارے میں مروی ہے له ازیز کازیز المرجل جب آپ تہجد میں تلاوت فرماتے تو آپ کے اندر سے ہانڈی کی سنسناہٹ جیسی آواز نکلتی تھی۔ یہ خشوع اور خضوع کے لغوی واصطلاحی معنیٰ ہو گئے۔ اب ہم انہیں نصوص وآثار سے اسے مبرہن و مدلل کرتے چلیں۔ (تحفۃ الالمعی ج ۲، لغات اردو)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ. ''بیشک کامیابی اور فلاح کو پہنچ گئے وہ مومن، جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے: وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

بیشک نماز دشوار ہے مگر جن کے دلوں میں خشوع ہے ان کے لیے کچھ بھی دشوار نہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جو اس کا خیال رکھتے ہیں کہ بیشک وہ اپنے رب سے قیامت میں ملنے والے ہیں، اور مرنے کے بعد اسی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نماز قائم کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس کے رکوع سجدہ کو اچھی طرح ادا کرے، ہمہ تن متوجہ رہے اور خشوع کے ساتھ پڑھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں: جو شخص نمازوں کو اپنے وقت پر پڑھے، وضو بھی اچھی طرح کرے، خشوع وخضوع سے بھی پڑھے، کھڑا بھی پورے وقار سے ہو، پھر اسی طرح رکوع سجدہ بھی اچھی طرح اطمینان سے کرے۔ غرض ہر چیز کو اچھی

طرح ادا کرے تو وہ نماز نہایت روشن چمکدار بن کر جاتی ہے، اور نمازی کو دعا دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ تیری بھی ایسی ہی حفاظت کرے جیسی تو نے میری حفاظت کی۔ اور جو شخص نماز کو بری طرح پڑھے، وقت کو بھی ٹال دے، وضو بھی اچھی طرح نہ کرے، رکوع سجدہ بھی اچھی طرح نہ کرے، تو وہ نماز بری صورت سے، سیاہ رنگ میں بد دعا دیتی ہوئی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی ایسا ہی برباد کرے جیسا تو نے مجھے ضائع کیا، اس کے بعد وہ نماز پرانے کپڑے کی طرح سے لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔ (فضائل نماز بحوالہ طبرانی)

اور ایک جگہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو نماز خشوع خضوع سے پڑھی جاتی ہے، آسمان کے دروازے اس کے لیے کھل جاتے ہیں، وہ نہایت نورانی ہوتی ہے اور نمازی کے لیے حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں سفارشی بنتی ہے۔ (ایضاً)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جب نماز کو کھڑے ہوتے تھے تو کسی کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے، ہمہ تن نماز کی طرف متوجہ رہتے تھے، اپنی نگاہوں کو سجدہ کی جگہ رکھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہ ان کی طرف متوجہ ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ خشوع کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ خشوع دل میں ہوتا ہے (یعنی دل سے نماز میں متوجہ رہنا) اور یہ بھی اس میں داخل ہے کہ کسی طرف توجہ نہ کرے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا: نفاق کے خشوع سے اللہ ہی سے پناہ مانگو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضور! نفاق کا خشوع کیا چیز ہے؟ ارشاد فرمایا: ظاہر میں تو سکون ہو، اور دل میں نفاق ہو۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دل کا خشوع اللہ کا خوف ہے اور نگاہ کو نیچی رکھنا۔

بہت سے صحابہ وتابعین سے نقل کیا گیا ہے کہ خشوع سکون کا نام ہے، یعنی نماز نہایت سکون سے پڑھی جائے۔ متعدد احادیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز ایسی طرح پڑھا کرو گویا یہ آخری نماز ہے۔ (فضائل نماز بحوالۂ درمنثور) ترمذی شریف کی روایت ہے: الصلاۃ تخشع و تضرع و تمسکن یعنی نماز کی حقیقت خشوع، خضوع اور سکون ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اپنے مکاتیب میں فرماتے ہیں: نماز میں کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ کی طرف نگاہ جمائے رکھنا، اور رکوع کی حالت میں پاؤں پر نگاہ رکھنا اور سجدہ میں جاکر ناک پر رکھنا اور بیٹھنے کی حالت میں ہاتھوں پر نگاہ رکھنا، نماز میں خشوع کو پیدا کرتا ہے۔ (فضائلِ نماز)

بے خشوع نماز کی مثال:

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نماز میں رکوع اچھی طرح نہ کیا جائے کہ کمر پوری جھک جائے، اس کی مثال اس عورت کی سی ہے جو حاملہ ہو اور جب بچہ پیدا ہونے کا وقت قریب آجائے تو اسقاط کردے۔

حضور اکرم ﷺ کی نماز:

ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ حضور اقدس ﷺ رمضان المبارک میں تہجد کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے (گویا آٹھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر، چناں چہ خود اس کی تفصیل فرماتی ہیں) کہ اول چار رکعت پڑھتے تھے، یہ نہ پوچھ کہ وہ کتنی طویل ہوتی تھیں، اور کس عمدگی کے ساتھ بہترین حالت یعنی خشوع وخضوع سے پڑھی جاتی تھیں، اسی طرح پھر چار رکعت اور پڑھتے، ان کی بھی لمبائی اور عمدگی کا حال نہ

پوچھ، پھر تین رکعت پڑھتے تھے یعنی وتر۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ وتر سے پہلے سوجاتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سو جاتی ہیں، لیکن میرا دل جاگتا رہتا ہے۔ (شمائلِ ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ (آپ ﷺ اتنی طویل نماز پڑھتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آجاتا) آپ اتنی طویل نماز پڑھتے ہیں، حالاں کہ آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہوچکے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: کیا میں شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ (شمائلِ ترمذی)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم واسلاف عظام کی نماز:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تو چہرہ کا رنگ بدل جاتا، بدن پر کپکپی آجاتی، کسی نے پوچھا تو ارشاد فرمایا: اس امانت کے ادا کرنے کا وقت ہے، جس کو آسمان وزمین نہ اٹھا سکے، پہاڑ اس کے اٹھانے سے عاجز ہوگئے، میں نہیں سمجھتا کہ اس کو پورا کرسکوں گا یا نہیں۔

بہجۃ النفوس میں لکھا ہے کہ ایک صحابی رات کو نماز پڑھ رہے تھے، ایک چور آیا اور گھوڑا کھول کر لے گیا، لے جاتے ہوئے اس پر نظر بھی پڑ گئی، مگر نماز نہ توڑی، بعد میں کسی نے کہا بھی کہ آپ نے پکڑ نہ لیا؟ فرمایا: جس چیز میں مشغول تھا، وہ اس سے بہت اونچی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تو قصہ مشہور ہے کہ لڑائی میں جب ان کو تیر لگ جاتے تو وہ نماز ہی میں نکالے جاتے، چناں چہ ایک مرتبہ ران میں تیر گھس گیا، لوگوں نے نکالنے کی کوشش کی؛ نہ نکل سکا، آپس میں مشورہ کیا کہ جب یہ نماز میں مشغول ہوں اس وقت نکالا جائے، آپ

نے جب نفلیں شروع کیں اور سجدہ میں گئے، تو لوگوں نے اس کو زور سے کھینچ لیا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو آس پاس مجمع دیکھا، فرمایا: کیا تم تیر نکالنے کے واسطے آئے ہو؟ لوگوں نے کہا وہ تو ہم نے نکال بھی لیا۔ آپ نے فرمایا: مجھے خبر بھی نہیں ہوئی۔

عامر بن عبداللہؒ جب نماز پڑھتے تو گھر والوں کی باتوں کی تو کیا خبر ہوتی، ڈھول کی آواز کا بھی پتہ نہ چلتا تھا، کسی نے ان سے پوچھا کہ تمہیں نماز میں کسی چیز کی بھی خبر ہوتی ہے؟ فرمایا: ہاں! مجھے اس کی خبر ہوتی ہے کہ ایک دن اللہ کی بارگاہ میں کھڑا ہونا ہوگا، اور دونوں گھروں جنت یا دوزخ میں سے ایک میں جانا ہوگا۔ انہوں نے عرض کیا یہ نہیں پوچھتا ہماری باتوں میں سے بھی کسی کی خبر ہوتی ہے؟ فرمایا کہ مجھ میں نیزوں کی بھالیں گھس جائیں یہ زیادہ اچھا ہے اس سے کہ مجھے نماز میں تمہاری باتوں کا پتہ چلے۔ (فضائل نماز)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ حاتم اصمؒ سے ان کی نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: جب نماز کا وقت آتا ہے تو اچھی طرح وضو کرتا ہوں، پھر مسجد میں آتا ہوں، پھر اپنے جسم کو مطمئن اور حاضر کر لیتا ہوں، پھر نماز کے لیے اس کیفیت کے ساتھ کھڑا ہوتا ہوں کہ کعبہ میری آنکھوں کے سامنے ہے، اور پل صراط میرے قدموں کے نیچے ہے، اور جنت میری دائیں جانب ہے، اور دوزخ میری بائیں جانب ہے، اور ملک الموت میرے پیچھے ہے، اور میں اس نماز کو اپنی آخری نماز سمجھتا ہوں، پھر امید و خوف کے ساتھ قیام کرتا ہوں، اور تکبیر کہتا ہوں، اور اطمینان سے قراءت کرتا ہوں، پھر نہایت عاجزی کے ساتھ رکوع کرتا ہوں، پھر خشوع کے ساتھ سجدہ کرتا ہوں۔ اور اس طرح اپنی نماز پوری کرتا ہوں، پھر بھی میں نہیں جانتا کہ میری نماز قبول ہوئی یا نہیں؟ (احیاء العلوم ۱/ ۱۹۳)

اقامت صلوٰۃ یا صرف صلوٰۃ:

قرآن کریم میں عموماً نماز کی جتنی مرتبہ تاکید کی گئی ہے لفظ اقامت کے ساتھ آئی ہے، مطلق نماز پڑھنے کا ذکر صرف ایک دو جگہ آیا ہے، اس لیے اقامت صلوٰۃ کی حقیقت کو سمجھنا چاہیے، اقامت کے لفظی معنیٰ سیدھا کرنے اور ثابت رکھنے کے ہیں، اور عادۃً جو عمود یا دیوار یا درخت وغیرہ سیدھا کھڑا ہوتا ہے وہ قائم رہتا ہے، اس لیے اقامت کے معنیٰ قائم و دائم کرنے کے بھی آتے ہیں۔

قرآن و سنت کی اصطلاح میں اقامت صلوٰۃ کے معنیٰ نماز کو اس کے وقت میں پابندی کے ساتھ اس کے پورے آداب و شرائط کی رعایت کر کے ادا کرنا ہیں۔ مطلق نماز پڑھ لینے کا نام اقامت صلوٰۃ نہیں ہے۔ نماز کے جتنے فضائل اور آثار و برکات قرآن و حدیث میں آئے ہیں وہ سب اقامت صلوٰۃ کے ساتھ مقید ہیں، مثلاً قرآن کریم میں ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْکَرِ نماز کا یہ اثر اسی وقت ظاہر ہوگا جب کہ نماز کی اقامت اس معنیٰ سے کرے جو ابھی ذکر کیے گئے۔ اس لیے بہت سے نمازیوں کو برائیوں اور بے حیائیوں میں مبتلا دیکھ کر اس آیت پر کوئی شبہ نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ ان لوگوں نے نماز پڑھی تو ہے، لیکن اس کو قائم نہیں کیا۔ (معارف القرآن شفیعی/۱)

نماز میں خشوع خضوع کیسے پیدا کریں؟:

حضرت شیخ زکریا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: صوفیا نے لکھا ہے کہ نماز درحقیقت اللہ جل شانہ کے ساتھ مناجات کرنا اور ہم کلام ہونا ہے، جو غفلت کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا، نماز کے علاوہ اور عبادتیں غفلت سے بھی ہو سکتی ہیں، مثلاً: زکوٰۃ ہے کہ اس کی حقیقت مال کا خرچ کرنا ہے، یہ خود ہی نفس کو اتنا شاق ہے کہ اگر غفلت کے ساتھ ہو تب بھی نفس کو شاق گزرے گا۔

لیکن نماز کا بڑا حصہ ذکر ہے، قراءت قرآن ہے، یہ چیزیں اگر غفلت کی حالت میں ہوں، تو مناجات یا کلام نہیں ہیں، ایسی ہی ہیں جیسے بخار کی حالت میں ہذیان اور بکواس ہوتی ہے کہ جو چیز دل میں ہوتی ہے، وہ زبان پر ایسے اوقات میں جاری ہو جاتی ہے، نہ اس میں کوئی مشقت ہوتی ہے، نہ نفع۔ اسی طرح چوں کہ نماز کی عادت پڑ گئی ہے اس لیے توجہ نہ ہو، تو عادت کے موافق بلا سوچے سمجھے زبان سے الفاظ نکلتے رہیں گے۔ جیسا کہ سونے کی حالت میں اکثر باتیں زبان سے نکلتی ہیں کہ نہ سننے والا اس کو اپنے سے کلام سمجھتا ہے، نہ اس کا کوئی فائدہ ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ شانہ بھی ایسی نماز کی طرف توجہ نہیں فرماتے جو بلا ارادہ کے ہو۔ اس لیے نہایت اہم ہے کہ نماز اپنی وسعت و ہمت کے موافق پوری توجہ سے پڑھی جائے۔ (فضائلِ نماز)

قرآن و سنت میں جہاں خشوع کی ترغیب مذکور ہے اس سے مراد وہ قلبی سکون و انکساری ہے، جو اللہ کی عظمت اور اس کے سامنے اپنی حقارت کے علم سے پیدا ہوتی ہے، اس کے نتیجہ میں طاعت آسان ہو جاتی ہے، کبھی اس کے آثار بدن پر بھی ظاہر ہونے لگتے ہیں کہ وہ باادب، متواضع اور شکستہ قلب نظر آتا ہے، اگر دل میں خوف خدا اور تواضع نہ ہو تو خواہ ظاہر میں کتنا ہی باادب اور متواضع نظر آئے، وہ خشوع کا حاصل نہیں۔ بلکہ آثارِ خشوع کا قصداً اظہار کرنا بھی پسند نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ سر جھکائے بیٹھا ہے، فرمایا: سر اٹھا، خشوع دل میں ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ نے ہمارے مرض کا بیان کیا ہے (کہ نماز بھاری ہے) وہاں اس کا علاج بھی بتلا دیا ہے، چناں چہ فرماتے ہیں: اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الخ... یعنی نماز سب پر بھاری ہے، مگر خشوع کرنے والوں پر بھاری نہیں، جن کو یقین ہے اس بات کا کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں، اور وہ اسی کی طرف جانے والے ہیں۔

مطلب یہ کہ نماز بوجہ قیود کے بھاری ضرور ہے، مگر جو لوگ خشوع پیدا کر لیتے ہیں، اور حق تعالیٰ سے ملنے کا خیال جما لیتے ہیں۔ سو اس میں ہمارے مرض کا علاج بتلا دیا کہ خشوع سے نماز پڑھو تو کچھ گرانی نہیں رہے گی۔

اب خشوع کی حقیقت لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سوائے حق کے کسی قسم کا خطرہ نہ آئے، یہ غلط ہے۔ خشوع کی حقیقت یہ ہے کہ خطرہ خود نہ لادے، گو از خود آجائے اور یہ نہ آنا تو غیر اختیاری ہے، لیکن نہ لانا اختیار میں ہے۔ آورد خطرات منافی خشوع ہے۔ آمد خطرات منافی نہیں۔ آمد آورد میں فرق ظاہر ہے۔ ہاں البتہ یہ بھی کرنا چاہیے کہ وسوسہ بلا قصد آئے تو اس میں بقصد مشغول نہ ہو جائے، بعض ایسا کرتے ہیں کہ وسوسہ خود لاتے تو نہیں، لیکن جب آتا ہے تو اس میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی غلطی ہے، نہ قصد سے لانا ہو، نہ قصد سے ابقاء ہو۔ کیوں کہ بقصد باقی رکھنا بھی منافی خشوع ہے۔ بس جب وسوسہ آئے، تو اس کو رکھے نہیں، دفع کر دے۔ (خطباتِ حکیم الامت ۱۰/ ۵۴)

اختلاس الشیطان:

حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کی وصیت کے کلمات ہیں و أمرکم بالصلاۃ، فإذا صلیتم، فلا تلتفتوا فإن اللہ ینصب وجهه لوجه عبده فی صلاته مالم یلتفت. (البخاری)

میں تم کو نماز کا حکم دیتا ہوں، اور اس بات کی تاکید کرتا ہوں کہ جب تم نماز پڑھو، تو اللہ کے علاوہ کسی مخلوق کی جانب متوجہ نہ ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی توجہ بندے کی جانب اس وقت تک مرکوز رکھتا ہے، جب تک بندہ نماز میں اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف توجہ نہیں کرتا ہے۔

علامہ ابن قیمؒ اس وصیت کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الالتفات المنهی عنه فی الصلاۃ قسمان: أحدهما: التفات القلب عن اللہ عز و جل إلی غیر اللہ تعالیٰ. الثانی: التفات البصر، و کلاهما منهی عنه، و لا یزال اللہ مقبلا

على عبده مادام العبد مقبلاً على صلاته، فإذا التفت بقلبه أو بصره، أعرض الله عنه، و قد سئل رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم عن التفات الرجل فى صلاته فقال: ”اختلاس يختلسه الشيطان من صلاة العبد.“ (رواه البخاری)

نماز میں اللہ کو چھوڑ کر مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کی دو قسمیں ہیں: (۱) دل کو اللہ سے غافل کرنا، (۲) نگاہ کو کسی اور جانب متوجہ کرنا۔ یہ دونوں چیزیں ممنوع ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بندے کی جانب اس وقت تک متوجہ رہتے ہیں، جب تک بندہ اپنی نماز میں مکمل اللہ کی جانب متوجہ رہتا ہے۔ جب بندہ اپنے دل سے یا اپنی نگاہ سے اللہ کو چھوڑ کر مخلوق کی جانب متوجہ ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس سے اپنی نگاہ ہٹا لیتے ہیں، اور اس سے اعراض کرتے ہیں۔

سرکار دو عالم ﷺ سے آدمی کے اپنی نماز میں اللہ کو چھوڑ کر مخلوق کی جانب متوجہ ہونے کے بارے میں پوچھا گیا، تو فرمایا: یہ تو ایک اچکنے کی چیز ہے، جو اچکا (شیطان) بندہ کی نماز سے اچک لیتا ہے۔

سفوف خانہ ساز:

پنج وقتہ نماز کو مختلف زاویوں سے دیکھا جائے تو کچھ اس نوع کا منظر ہوگا۔

(۱) نوکر کمپنی کے کاموں میں لگے رہتے ہیں، لیکن وقفہ وقفہ سے رپورٹ پیش کرنے کے لیے سیٹھ کے پاس آنا پڑتا ہے۔ آنے سے کچھ دیر قبل کیا حالت ہوتی ہے؟ اور عین سیٹھ کے سامنے ہو تب کیا منظر ہوتا ہے۔ یہ تمثیل بلا تشبیہ ہے۔

(۲) عاشق بہت مجبوری کے درجہ میں معشوق سے الگ ہوتا ہے، لیکن وہ اس کے بغیر زیادہ وقت نہیں گزار پاتا ہے، جب دیدار کا تقاضہ بے چین کر دیتا ہے تب دنیا کی طاقت اسے معشوق کے پاس جانے سے نہیں روک سکتی۔

یادیں......

از: حافظ ذاکر صاحب کاپڑیا

(۱) جس زمانہ (۲۰۰۶ء) میں سورت میں سیلاب آیا تھا، وہ تاریخی سیلاب تھا، اسی موقع پر جامعہ حسینیہ راندیر کا سالانہ جلسہ چنار واڑ مسجد، راندیر میں ہوا تھا، جس میں ختم بخاری کے موقع پر شیخ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تھے۔ پورے شہر میں بہت زیادہ کیچڑ تھا، راستہ پر چلنا دشوار ہونے کے باوجود مولانا اسماعیل صاحب موٹا علیہ الرحمۃ کے اصرار پر کہ آپ نے بخاری شروع فرمائی ہے، ختم بھی آپ ہی کے ہاتھوں ہو۔ اس مجلس میں یہ عاجز موجود تھا۔ شیخ کی آمد سے پہلے مسند بچھائی گئی، جس کی ترتیب یہ تھی مقرِّر کی پشت شمال کی جانب اور طلبہ جنوب کی جانب یعنی مقرر کا چہرہ اور طلبہ آمنے سامنے تھے، شیخ کو جب وہیل چیر پر لایا گیا، تو آپ مسجد کے صحن میں رک گئے، اور بہت خفا ہوئے کہ یہ ترتیب کیسے؟ یہ خلاف سنت ہے۔ سنت کے مطابق یہ ہے کہ مقرر کی پشت قبلہ رخ ہو اور سامعین سامنے بیٹھے ہوں۔ شیخ داخل نہیں ہوئے، حتیٰ کہ منتظمین کو پوری ترتیب بدلنی پڑی، اسی وقت تمام تپائیاں اور مسند اٹھالی گئی، اور شیخ کی مسند منبر کے پڑوس میں رکھی گئی، اس کے بعد شیخ تشریف لے گئے۔ الحاصل شیخ علیہ الرحمۃ نے سب سے پہلے جو جملہ کہا تھا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ ''**مدارس کا قیام احیاءِ سنت کے لیے ہے، اور مدرسہ کا جلسہ خلافِ سنت ہو؟** میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف گجرات میں ہی ہے، اور آئندہ ایسا نہ ہوگا۔''

(۲) راندیر چنارواڈ مسجد میں جب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ جلسہ میں تشریف لائے تھے، اس وقت پورے شہر میں کیچڑ تھا، اس کے باوجود جامعہ حسینیہ راندیر کے اجلاس کے موقع پر جنریٹر کے ذریعے لائٹ کا انتظام کیا گیا تھا، ظاہر بات ہے کہ عام بجلی اور جنریٹر کی بجلی میں کچھ فرق ہوتا ہے،

لہٰذا روشنی قدرے کم معلوم ہو رہی تھی، تو حضرت نے منتظمین کو اس طرف توجہ دلائی، تو شیخ کو اطلاع دی گئی کہ پورے شہر میں پانی تھا، اور بجلی نہ ہونے کی وجہ سے یہاں جنریٹر کا انتظام کیا گیا ہے۔ چناروا ڈ مسجد میں بھی منبر ڈوب جائے اتنا پانی تھا- ایک دو مرتبہ تو شیخ نے خاموشی سے سن لیا، اس کے بعد بولے کہ ''ہاں ہاں میں جانتا ہوں کہ لائٹ نہیں تھی اور جنریٹر کا انتظام کیا گیا ہے، لیکن مزید روشنی کا انتظام کرنا چاہیے تھا، شادی ہوتی ہے تو اس میں کتنے جنریٹر ہوتے ہیں؟'' کہنا یوں چاہا کہ جب اتنا بڑا جلسہ منعقد کیا ہے، تو بجائے ایک جنریٹر کے دو کا انتظام کر لیتے۔ اس کے بعد حضرت نے آنکھوں کی نعمت کی اہمیت، اور اس کی حفاظت کی ضرورت کو ختم بخاری کے درس سے قبل واشگاف کیا، اس وقت مفتی عارف حسن صاحب عثمانی مجلس میں موجود تھے اور جامعہ اشرفیہ کے مہتمم حضرت مولانا یعقوب اشرف صاحبؒ بھی موجود تھے، درمیان میں حضرت شیخ، مہتمم صاحب کو بھی تنبیہ فرماتے رہتے تھے۔ ختم بخاری کے بعد دعا پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ اللہ ہمیں حضرت کی باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(۳) دوسرا موقع وہ تھا جب اِینگلو اردو ہائی اسکول میں شیخ محمود منیار علیہ الرحمۃ کے انتقال کے بعد تعزیتی جلسہ ہوا تھا، جس میں ایک مشہور عالم دین تشریف لائے تھے، اسی موقع پر شیخ بھی تشریف لائے تھے، مجھے خوب یاد ہے جس کو حضرت کا کشف کہیے یا پیشین گوئی کا نام دے دیجیے کہ جب آپ کی گاڑی اِینگلو اسکول پر پہنچی ہے، اس وقت تشریف لائے ہوئے مولانا کی تقریر جاری تھی، جیسے ہی شیخ کی آمد ہوئی، حضرت نے اپنی تقریر کا سلسلہ موقوف کر دیا، اور فوراً ہی شیخ یونس صاحب کو مائک پر لایا گیا، شیخ نے بیٹھتے ہی یوں کہا کہ جو تقریر کر رہے تھے، ان کی تقریر جاری رہتی، اس لیے کہ یہ جہاں بھی جاتے ہیں تقریر کرتے ہیں، تو دھواں اٹھا دیتے ہیں، اس کے بعد شیخ کے ملفوظات سے مجمع محظوظ

ہوا۔ پروگرام کے اختتام پر ہجوم کی وجہ سے حضرت کسی سے ملاقات نہیں کرتے تھے، البتہ میرے ساتھ عبدالغفار بھائی نامی ایک شخص تھے- جنہوں نے حضرت شیخ محمد رضا اجمیریؒ اور حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ کی خوب خدمت کی ہے- چناں چہ حضرت شیخ نے عبدالغفار بھائی کو دور سے بلا کر خود ملاقات کی۔

دوسرے ہی دن ایک بڑے ادارے میں ان بزرگ، عالم دین کا بیان تھا، جس میں برادران وطن بھی مدعو تھے، مولانا کا بیان جاری تھا، لیکن برادران کو ہضم نہ ہونے کی وجہ سے وہ درمیان سے اٹھ کر جانے لگے، اور اس کا غلط اثر لیا، اور ماحول قدرے گرم ہو گیا، اور حالات کچھ ایسے بن گئے کہ وہاں تھوڑا دھواں اٹھ گیا، سو حضرت شیخ کی پیشین گوئی صداقت کو پہنچی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شیخ کا اتباع نصیب فرمائے۔ حضرت مفتی طاہر صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، جو شیخ کی باتوں کو جمع کر کے ان کو شائع کر رہے ہیں۔ (آمین)

علمی وعرفانی شہ پارے (قسط اول)

(حضرت شیخ یونس صاحب جونپوریؒ کے درس بخاری کے افادات)

بقلم: عبدالاحد بن یوسف فلاحی

استاذ الاساتذہ، شیخ العرب والعجم، حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ کی شخصیت سے علم حدیث سے مناسبت رکھنے والا ہر شخص واقف ہے۔ کیا مشرق، کیا مغرب، کیا عرب، کیا عجم، پوری دنیا آپ کی مدح میں رطب اللسان ہے۔ آپ ہمہ گیر و جامع الصفات شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی حیاتِ مبارکہ طالبانِ علومِ نبوت کے لیے درس و عبرت ہے، آپ کی شخصیت تعلیم و تعلم، زہد و ورع، خوف وخشیت، اشتغال بالحدیث، انہماکِ مطالعہ نیز تحقیق و تدقیق وغیرہ صفات میں آئیڈیل اور نمونہ ہے۔ بندہ کو بفضلِ ایزدی حضرت والا سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا، اور روایۃً ودرایۃً دو مرتبہ بخاری شریف، دو مرتبہ الرسائل الثلاث للشاہ ولی اللہ اور الاوائل السنبلیۃ (مکمل) پڑھنے کا موقعِ زریں نصیب ہوا۔ آپ کا درس حضرات سلف محدثین کی یادگار اور ائمۂ محققین کا شاہکار ہوتا تھا، تحقیق و تدقیق سے روایات پر کلام، محقق و مدقق اختلافاتِ ائمہ کا بیان، تراجمِ رواۃ سے عبرت خیز گوشوں کی توضیح، ہر کتاب کے شروع میں ذکر کردہ آیات قرآنیہ کی تفسیر نیز آیات و کتاب میں اور باب اور تحت الباب ذکر کردہ روایات میں دقیق ولطیف ربط کی تبیین آپ کے درس کا اٹوٹ حصہ تھا۔

آپ کے درسِ بخاری کے افادات بے شمار ہیں، جن میں سے چند ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر درجِ ذیل ہیں:

ایک مرتبہ کسی حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ حنفیہ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ کثرتِ روایات سے ترجیح نہیں ہوتی، اور کرخی وغیرہ نے اس کو ذکر بھی کیا ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ امام طحاویؒ نے مشکل الآثار میں تحریر فرمایا ہے: ”الجماعة أولىٰ بالحفظ من واحد.“[۱]

ایک مرتبہ حدیث مرسل پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ مرسل کے باب میں ایک تو قدماء کا عرف ہے کہ جس میں واسطہ چھوٹ گیا ہو، وہ مرسل ہے، اور یہی امام بخاری کی اصطلاح ہے۔ مگر عام علماء نے وسائط کے اعتبار سے الگ الگ نام دیے ہیں۔ چناں چہ اگر صحابی متروک ہو، تو مرسل، اگر صحابی سے پہلے کوئی راوی متروک ہو تو منقطع۔ اگر مسلسل دو یا اس سے زیادہ راوی متروک ہوں تو معضل۔ اور اگر اولِ سند سے سقوط ہو تو وہ معلق ہے۔ جیسے امام بخاری کی تعلیقات ہیں۔

پھر تعلیقات کی دو قسمیں ہیں:

(۱) تعلیقاتِ صحیحہ: جن کی سند راویِ منقول عنہ تک صحیح ہو۔

(۲) تعلیقاتِ ضعیفہ: جن کی سند صحیح نہ ہو۔

پھر امام بخاری کی تعلیقات دو طرح کی ہیں:

(۱) کبھی کسی حدیث کو صرف تعلیقاً ہی نقل کرتے ہیں، دوسرے مقام پر موصولاً نقل

---

[۱] مشکل الآثار کی متعدد عبارات مثلاً: ”وكان الاثنان أولىٰ بالحفظ من واحد“ (۹/۹۸) ”لأن الاثنين أولى بالحفظ من الواحد“ (۱۲/۱۴۵) ”و ثلاثة أولى بالحفظ من واحد“ (۴/۶۶) ”وكان أربعة أولىٰ بالحفظ من اثنين“ (۲/۲۰۵) ”و ستة أولىٰ بالحفظ من واحد“ (۲/۳۶) ”الجماعة أولىٰ مما روى الواحد“ (۴/۲۱۴) اور ”الجماعة أولى بما حفظوا في ذالك مما حفظه الواحد“ (۷/۱۹۱) وغیرہ سے ”الجماعة أولىٰ بالحفظ من واحد“ ثابت ہوتا ہے۔ ع.ف.

نہیں کرتے، جن کی تعداد ۱۵۹/ ہے۔

(۲) ایک جگہ معلق تو دوسری جگہ موصولاً ذکر کرتے ہیں، اور اس قسم کی تعلیقات بکثرت ہیں۔

پھر اگر تعلیقات کی سند معتبر ہو، تو انہیں بصیغۂ جزم لاتے ہیں، اور اگر سند پر کوئی کلام ہو تو بصیغۂ تمریض لاتے ہیں۔

اس قاعدے پر ایک روایت سے اشکال ہوتا ہے، چناں چہ کتاب العلم میں باب الخروج فی طلب العلم میں ہے: "رحل جابر بن عبد اللّٰہ مسیرۃ شهر إلى عبد اللّٰہ بن انیس فی حدیث واحد." یہاں تو بصیغۂ جزم لائے ہیں اور کتاب التوحید میں اسی کو بصیغۂ تمریض لائے ہیں۔ چناں چہ فرمایا: و یذکر عن جابر بن عبد اللّٰہ بن أُنیس، "یذکر" صیغۂ تمریض ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ رحلۃ للعلم کا مسئلہ چوں کہ دیگر روایات سے مؤیَّد تھا، اس لیے بصیغۂ جزم لے آئے۔ اور کتاب التوحید میں صوتِ باری تعالیٰ کا مسئلہ ہے، جو بہت اہم ہے، اس لیے صیغۂ تمریض اختیار کرلیا۔ مگر یہ جواب ٹھیک نہیں ہے۔ اس لیے کہ امام بخاریؒ تو خود صوتِ باری کے قائل ہیں۔ پھر وہ بصیغۂ تمریض کیوں لائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خود حافظ ہی نے حافظ عراقی سے اس سلسلہ میں گفتگو کی تھی، تو عراقی نے یہ جواب دیا تھا کہ صیغۂ تمریض لانے کے لیے صرف سند کا اختلاف ہی ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر کسی مسئلہ میں علما کے مابین اختلاف ہو، تو اس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بھی صیغۂ تمریض اختیار کرتے ہیں۔ واللّٰہ أعلم بالصواب.

نیز فرمایا: پھر اس باب میں اختلاف ہے کہ حدیث مرسل حجت ہے یا نہیں؟

عام محدثین (بخاری، مسلم، ابوزرعہ رازی، ابوحاتم، ابن حزم وغیرھم) کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ یہی امام احمد کی ایک روایت ہے۔

امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک حجت ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مرسل اس وقت حجت ہے جب کہ اس میں تین باتیں پائی جائیں:

(۱) روایت کرنے والا تابعئ کبیر ہو، جس کی اکثر روایات صحابۂ کرام سے ہوں۔

(۲) وہ لوگوں سے روایت کرنے میں اختلاف نہ کرتا ہو، اگر اختلاف ہو تو صرف اختصار کا اختلاف ہو۔

(۳) اس روایت کا کوئی مؤید ہو۔

پھر مؤید کی چار شکلیں ہیں:

(۱) وہی روایت دوسرے مرسل طریق سے بھی مروی ہو، بشرطیکہ دونوں کا منتہا ایک نہ ہو۔

(۲) یا موصول طریق سے مروی ہو۔

(۳) یا کسی صحابی کا قول اس کے مطابق ہو۔

(۴) یا عام علماء نے اس کو اختیار کیا ہو۔

سب سے افضل ثانی ہے، پھر اول ہے، پھر ثالث و رابع کا درجہ ہے۔ نیز فرمایا یہاں مزید بحث ہے، مگر اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ۔۔۔ ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

"أبواب صفة الصلاة" میں "باب أمر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الذی لا یتم الرکوع

بالإعادة“ کے تحت فرمایا: اس باب میں امام بخاریؒ نے صراحت کی ہے کہ جس نے اتمام رکوع کو ترک کر دیا، اس کی نماز واجب الاعادۃ ہے۔

یہاں سوال یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے سجدہ کے لیے اسی انداز کا ترجمہ منعقد کیا ہے، مگر وہاں امام نے تارکِ اتمامِ سجود کو اعادہ کا حکم نہیں فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ امام بخاریؒ نے وہاں تصریح نہیں کی ہے، مگر چوں کہ رکوع وسجود، رکنین متعاقبین ہیں، لہٰذا ایک کا حکم دوسرے کا حکم ہوگا۔ اور یہ استدلال بالدلالۃ ہے جو بخاری کی عادات میں سے ہے۔

کتاب سجود القرآن میں باب سجود المسلمین مع المشرکین کے تحت یہ شعر ذکر کیا۔

تلک الغرانیق العلیٰ	وإن شفاعتهن لترتجیٰ

اور فرمایا: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: یہ روایت تین مرسل طریق سے ثابت ہے، اور ان مراسیل ثلاثہ کی سند صحیح ہے۔ لہٰذا ایک دوسرے کے لیے مؤید ہیں، اس لیے جو احتجاج بالمرسل کے قائل ہیں، ان کے مذہب پر یہ حدیث حجت ہے۔[۱] حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حافظ کو یہاں ذہول ہوگیا ہے، قاعدہ توصحیح بیان فرمایا مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ قاعدۂ عامہ ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اس کو قاعدۂ عامہ قرار دینا مشکل ہے۔ اس لیے کہ یہ مسئلہ حضور اکرم ﷺ

[۱] قال الحافظ فی الفتح (۸/۴۳۹): کثرة الطرق تدلّ علیٰ أن للقصة أصلاً... ثم نقل تضعیف ابن العربی و القاضی عیاض القصةَ ثم قال: و جمیع ذالک لا یتمشیٰ علی القواعد فإن الطرق إذا کثرت و تباینت مخارجها دلّ ذالک علی أن لها أصلاً و قد ذکرت أن ثلٰثة أسانید منها علی شرط الصحیح و هی مراسیل یحتج بمثلها من یحتج بالمرسل و کذا (یحتج) من لا یحتج به لاعتضاد بعضها ببعض. انتهیٰ. ع.ف.

کی عصمت سے متعلق ہے، اگر یہاں مرسل تو کیا، موصول روایت بھی آ جائے تو اس کو بھی ترک کر دیا جائے گا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ جب صحیح بخاری اور تاریخِ بخاری میں تعارض ہو، تو ترجیح صحیح بخاری کو ہوگی۔

نیز ایک مرتبہ کسی ساتھی کے عبارت میں بکثرت غلطی کرنے پر فرمایا: امام حسن بن عبداللہ عسکریؒ نے ایک کتاب لکھی ہے "التصحیف و التحریف" اگر وہ تمہاری جماعت کو دیکھ لیتا تو اور ایک جلد لکھ دیتا۔

ایک مرتبہ فرمایا: بچو! موت کی تیاری کرو! موت کا کوئی وقت نہیں ہے۔ اور ہمیں یہ بھی علم نہیں کہ کس حال میں آئے۔ اس لیے ہر وقت اپنے گناہوں سے توبہ کرو، اپنے رب کو راضی کرو! میرا تو نہ گھر رہا نہ گھر والے رہے، سب ٹوٹ پھوٹ گیا، میں ہمیشہ مدرسہ کی عمارت میں رہا ہوں، میری خالہ نے بچپن میں میری کاپی پر لکھا تھا۔

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا
مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا

پھر فرمایا: جو مقدر تھا، وہ اللہ نے خالہ جان کے ہاتھ بچپن ہی میں لکھوا دیا۔

ایک مرتبہ ایک ضابطہ ذکر فرمایا:

محدثین متقدمین و متأخرین جب کسی باب میں اصح کہیں، تو مطلب یہ ہے کہ اس کے خلاف صحیح نہیں ہے۔

اور فقہاء جب اصح کہیں، تو مطلب یہ ہے کہ اس کے خلاف صحیح ہے۔ یعنی صحیح تو دونوں ہیں، مگر ایک اصح اور اس کے مقابلہ میں دوسرا قول صحیح ہے۔

بعض حنفیہ فرماتے ہیں: جب صحیح اور اصح میں اختلاف ہو، تو صحیح کو لینا چاہیے۔ اس لیے کہ صحیح کے صحیح ہونے پر دونوں متفق ہیں، البتہ اصحیت میں اختلاف ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ خواہ مخواہ کی بات ہے، جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہوا اور ایک صحیح اور دوسرا اصح ہے، تو معلوم ہوا کہ جو اصح ہے وہ ارجح فی الصحۃ ہے، لہٰذا وہی قابلِ عمل ہوگا۔

کتاب الحج میں باب تقصیر المتمتع بعد العمرۃ کے تحت فرمایا:

اس باب سے اشارہ کیا کہ اگر عمرہ کرنے والا متمتع ہو تو وہ قصر کرے گا، نہ کہ حلق۔

ائمۂ ثلٰثہ فرماتے ہیں کہ عمرہ کرنے والا اگر قریب الحج ہو، تو اس کے لیے تقصیر مستحب ہے، لیکن بعض حنفیہ مطلقاً کہتے ہیں کہ ہر حال میں حلق افضل ہے۔

پھر فرمایا کہ اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے میں نے کوئی کتاب نہیں چھوڑی، تا کہ حنفیہ کو کچھ سہارا دوں، اخیر میں امام محمدؒ کی عبارت مجھے مل گئی۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ متمتع عمرہ کے بعد قصر کرے گا، حلق کا نام ہی نہیں لیا، بلکہ حلق کا سر تلوار سے قتل کر دیا۔ (۱)

(۱) قال الإمام محمد بن الحسن الشیبانی علیہ الرحمۃ فی موطأه (۴۵۷) أخبرنا مالک حدثنا عبد اللہ بن أبی بکر أن مولاةً لعمرة ابنة عبد الرحمٰن یقالُ لها: رُقیّة، أخبرتْهُ أنها کانت خرجتْ مع عمرة ابنة عبد الرحمٰن إلی مکةَ قالت: فدخلتْ عمرة مکةَ یوم الترویة وأنا معها، قالتْ: فطافتْ بالبیت وبین الصفا والمروة ثم دخلتْ صُفَّةَ المسجدِ فقالتْ: أمعکِ مِقَصّان؟ فقلتُ: لا، قالتْ: فالتمِسِیهِ لِیْ، قالتْ: فالتمستُهُ حتیٰ جئتُ بِهٖ، فأخذتُ من قرون رأسها=

کتاب الصوم میں باب تعجیل السحور کے تحت فرمایا:

یہ ترجمہ اسی طرح یہاں واقع ہوا ہے۔ اس ترجمہ کے تحت یہ روایت ہے:

"عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ كنت أتسحر في أهلي ثم تكون سرعتي أن أدرك السحور مع رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم."

اس سے معلوم ہوا کہ سحری میں تعجیل ہوگی، حالاں کہ سحری میں تاخیر افضل ہے۔ حافظ مغلطای حنفیؒ فرماتے ہیں کہ ایک نسخے میں تأخیرالسحور ہے، مگر حافظ ابن حجرؒ نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ اور فرمایا: "ولم أر ذالك في شيئ من نسخ البخاري التي وَقَعَتْ لنا."

اس کا ایک TEMPORARY جواب یہ ہے کہ حافظ کو نہ ملنے سے اس کا نہ ہونا لازم نہیں آتا، مگر حافظ گھڑیال ہے، ساری چیزیں نگل لیتا ہے۔ علوم کے دریا نگلے ہوئے ہیں، اس لیے حافظ کے قول کو ترجیح ہونی چاہیے۔ مگر دوسری طرف مغلطای ہیں، وہ بھی بہت بڑے حافظ ہیں، ترکی حنفی ہیں، مگر شافعیہ نے ان کی حق تلفی کی ہے۔

اب حافظ نے اپنی کمپنی کی حمایت میں تحقیق سے کام نہیں لیا، اور مغلطای کے قول کی تردید کردی، اگر کوئی حافظ کی قدآور شخصیت سے دب جائے، تو جواب یہ ہے کہ تعجیل السحور سے جلدی جلدی کھانا مراد ہے۔

جہاں تک حافظ مغلطای کا تعلق ہے، تو میں ان کی حمایت تو نہیں کرتا، کیوں کہ انہوں نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ علامہ مزیؒ پر اعتراض کیا ہے۔

=قالتْ: فلمّا كان يوم النحر ذبحتُ شاةً.

قال محمد: و بهذا نأخذ للمعتمر و المعتمرة ينبغي أن يقصر من شعره إذا طاف و سعىٰ، فإذا كان يوم النحر ذبح مااستيسر من الهدي و هو قول أبي حنيفة و العامة من فقهائنا رحمهم الله. انتهىٰ. ع. ف.

میری رائے یہ ہے کہ ایک نسخے میں أن أُدرک السجود (بالدال المهملة) ہے، وهو الراجح عندی. مطلب یہ ہے کہ حضرت سہل بن سعدؓ کی سحری طلوع فجر سے بہت قریب ہوتی، اگر اتنی بھی تعجیل نہ کی جائے، تو اللہ کے رسول کے ساتھ نماز فوت ہو جائے۔ جس سے تاخیر ہی ثابت ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ حافظ ابن حجرؒ کے ایک تسامح کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ حافظ بہت بڑے آدمی ہیں، مگر ہر ایک سے غلطی ہو جاتی ہے، پھر فرمایا:

"کل إمام یؤخذ من قوله ویترک إلا إمام المتقین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم."

آیت کریمہ "لا تحرک به لسانک لتعجل به" کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

یہ آیت بظاہر ماقبل و مابعد سے غیر مربوط ہے، اس لیے کہ سابق میں بھی احوالِ قیامت کا ذکر ہے، اور بعد میں بھی احوالِ قیامت کا بیان ہے، اور شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حضور کی تلاوتِ وحی کے وقت نازل ہوئی تھی۔

ان جیسی آیات سے شیعہ کہتے ہیں کہ یہ دلیل ہے کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے۔ مثلاً

(۱) جو آیات وسور مسائل امامت سے متعلق تھیں، وہ ترک کر دیں۔

(۲) آیات میں تقدیم وتاخیر کر دی۔

(۳) حروف میں ردوبدل کر دیا۔

مگر ان کا یہ دعویٰ غلط اور بے بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ. (ہم ہی نے قرآن نازل کیا، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)

اگر شیعہ کی بات مان لی جائے، تو یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ نے وعدہ خلافی کی، یا جبریل نے وحی کو پہنچانے میں تقصیر کی، یا آپ ﷺ نے وحیِ الٰہی کو مکمل امت تک نہیں پہنچایا۔ اور یہ سب باتیں غلط اور مردود ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤاُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ (اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے، اس کی تبلیغ کرو! اور ایسا نہیں کرو گے، تو (اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) تم نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا)

اور حضور ﷺ امر خداوندی کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے، اگر حضور -نعوذ باللہ- خیانت کرتے، تو قرآن فوراً متنبہ کرتا۔

سوال: اس کی مناسب توجیہ کیا ہوسکتی ہے؟

جواب: قرآن شاہی فرمان ہے۔ اور بادشاہوں کی عادت یہ ہے کہ جس بات کی جب ضرورت محسوس کرتے ہیں، اسے فوراً صادر کر دیتے ہیں، پھر اللہ رب العالمین تو خالق دو جہاں ہیں۔ وہ جب چاہیں، جیسے چاہیں، جو امر صادر کریں، اس کو اختیار کلی حاصل ہے۔

اور اگر ربط چاہیے تو سنیے:

آیت کریمہ "لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ" احوالِ قیامت سے اس طرح مربوط ہے کہ یہ نامۂ اعمال سے بھی متعلق ہے۔ یعنی جب قیامت کے دن نامۂ اعمال پڑھا جائے گا، تو مجرم جلدی جلدی زبان چلائے گا، تاکہ بات مکمل سمجھ میں نہ آئے۔ اس وقت اس سے کہا جائے گا: "لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ" کہ اب ہماری تلاوت کے وقت

خاموش ہوجا! جو کچھ تیرے اعمال کا بدلہ ہوگا، ہم اس کو بیان کریں گے۔

سوال: یہاں ایک سوال یہ ہے کہ ربط تو واضح ہوگیا، لیکن اگر اس آیت کریمہ کو احوالِ قیامت سے متعلق کردیا جائے، تو شان نزول کیا ہوگا؟

جواب: بعض محققین کا بیان ہے کہ کبھی آیات کی دو مرادیں ہوتی ہیں: ایک تو سیاق وسباق سے مفہوم ہوتی ہے۔ اور دوسری شانِ نزول سے۔

قرآن جامعیت کا حامل ہے، لہٰذا آیات کے ربط کی بنیاد پر یہ آیت احوالِ قیامت سے متعلق ہوگی۔ اور شان نزول کے پیش نظر تلاوت وحی سے متعلق ہوگی۔ (ھذا توجیہ نفیس)

نیز آیات کے نزول کے وقت مخاطب سے استماع مطلوب ہے، اس وقت حفظ کی طرف متوجہ ہونا، مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کرنا ہے۔ اس لیے فرمایا: ”یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ۔“

اگر مزید واضح ربط چاہیے تو سنو!

”لَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ“ میں نفس عام کا ذکر تھا، اور لَا تُحَرِّکْ بِہٖ الخ میں نفس خاص کا ذکر ہے، اور نفس خاص، نفس محمدی صلی اللہ علی صاحبہا وسلم ہے۔

نیز یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ الخ میں کتاب الاعمال کا تذکرہ ہے۔ اور لَا تُحَرِّکْ بہ الخ میں کتاب الاحکام کا تذکرہ ہے۔ لہٰذا کوئی آیت بے ربط نہیں ہے۔

آپ علامہ شبلیؒ کی کتاب ”سیرۃ النبی“ پڑھنے کی تاکید فرماتے اور فرماتے کہ علامہ شبلیؒ نے اپنی بلاغت اور محبت رسول میں قلم توڑ دیا ہے۔ انصاف سے پڑھنے والا بے روئے نہیں رہ سکتا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ امام بخاریؒ کا نہج یہ ہے کہ جہاں وہ تواریخ کا تذکرہ فرماتے ہیں

وہاں بکثرت روایات لاتے ہیں، البتہ احکام میں اکثار نہیں کرتے ہیں، الاعند الضرورۃ۔ جیسے مؤلفۃ القلوب کے بارے میں اکثار کیا ہے۔

کتاب التفسیر میں سورۂ دھر کی آیت ''هَلْ اَتیٰ عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًامَّذْکُوْرًا'' کے تحت فرمایا:

آیت کا ترجمہ ہے:

''انسان پر کبھی ایسا وقت آیا ہے کہ جب وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں تھا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ انسان قبل الخلق، شئ تھا، مگر مذکور نہیں تھا، اور یہی معتزلہ کا دعویٰ ہے کہ ''المعدوم شیئ۔''

امام بخاریؒ نے علامہ فراء کے اتباع میں جواب دیا کہ یہاں انسان سے حضرت آدم مراد ہیں، اور معنیٰ یہ ہیں کہ آدم کا پتلہ تیار ہو گیا، مگر نفخِ روح نہ ہونے کی وجہ سے فرمایا: ''لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا'' یعنی بے روح ہونے کی وجہ سے لائقِ ذکر نہیں تھا۔ اس آیت سے معتزلہ کا دعویٰ ''المعدوم شیئ'' ثابت ہو گیا۔ یہی مسلک ابو ہاشم جبائی اور ابو عثمان شحام معتزلی کا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں انسان سے حضرت آدم علیہ السلام کو مراد لینے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس کو عام رکھ کر یہ کہا جائے کہ یہاں پر حمل کے مختلف مراحل (نطفہ، علقہ، مضغہ وغیرہ) مراد ہیں، مگر یہ چیزیں قابلِ ذکر نہیں ہیں۔

اہلِ سنۃ و جماعت کہتے ہیں: ''المعدوم لیس بشیئ'' اور ان کا استدلال آیتِ کریمہ ''وَقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا'' اور آیت کریمہ ''اَوَلَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا

خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَکُ شَیْئًا" وغیرہ سے ہے۔

سوال: معتزلہ اور اہل سنۃ و جماعت کے درمیان اختلاف کیسے ہوا، منشأِ اختلاف کیا ہے؟

جواب: دراصل دونوں کا اختلاف اس باب میں ہے کہ اللہ نے چیزوں کو عدمِ محض سے نکالا یا چیزیں اپنے وجود کے اعتبار سے عالمِ عدم میں موجود تھیں۔

معتزلہ کا کہنا ہے کہ جوہر، عرض اور ذات وغیرہ سب عالمِ عدم میں موجود تھے اور اللہ عزوجل ان کو پردۂ عدم سے نکال کر منصۂ وجود پر لاتے ہیں۔

اہلِ سنۃ و جماعت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جمیع اشیاء کو عدمِ محض سے نکالا، نہ جوہر موجود تھا، نہ عرض اور نہ ذات، بلکہ سب کو اللہ نے عدمِ محض سے وجود بخشا۔

اسی اختلاف کی بنیاد پر دونوں کے مابین، معدوم کے شئ ہونے اور نہ ہونے کے باب میں اختلاف ہو گیا۔

معتزلہ کا استدلال بظاہر قوی معلوم ہوتا ہے، مگر میں دنیاءِ علم میں تشریف لایا (تشریف لایا، مزاحاً فرمایا) اور دونوں کے قول کا جائزہ لیا، اور لکھا کہ دونوں صحیح ہیں، اور وہ اس طرح کہ ہر چیز کے دو وجود ہیں: (۱) وجود علمی، (۲) وجود حسی۔

اشیاء اپنے وجود سے قبل کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہیں، لیکن ان کا وجود علمی متحقق ہے، یعنی ہر چیز ازل سے اللہ کے علم میں ہے، اور اللہ تعالیٰ اسی علم کے مطابق ان معدومات کو وجود عطا فرماتے ہیں۔ پس وجود حسی مفقود ہے اور وجود علمی موجود ہے۔

میں نے اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے تفسیر وعقیدے کی کوئی کتاب نہیں چھوڑی، مگر

کہیں کچھ نہیں ملا، اور میں تو حافظ کی کمپنی کا آدمی ہوں، مگر انہوں نے بھی اس پر کچھ نہیں لکھا، پھر اللہ نے کرم فرمایا اور علامہ ابن جوزی کی کتاب میں مجھے یہ بات مل گئی ۔

مدتیں گزریں زمانہ ہو گیا　　　قصۂ یوسف پرانا ہو گیا

هذه بغية منشودة و نعمة مقصودة ولله الحمد ثم ولله الحمد.

(جاری)

ملفوظات حضرت شیخ یونس صاحبؒ (قسط اول)

از: مولانا ہاشم فرخ آبادی

(خادم خاص حضرت شیخ علیہ الرحمۃ)

ایک صاحب حضرت کے پاس دعا کے لیے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ جی میرا بیٹا حفظ کررہا ہے، ذہن کمزور ہے، دعا کی درخواست ہے، فرمایا کہ زیادہ سختی نہ کرو۔

فرمایا کہ ایک عالم صاحب اپنے بیٹے کو صرف کھانے کے وقت تھوڑا پڑھا دیا کرتے تھے، ان کا بیٹا وقت کا سب سے بڑا عالم ہوا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ محض پڑھنے سے ہم علامہ بن جائیں گے، اللہ جسے چاہتا ہے، وہ علامہ بنتا ہے۔

ایک مرتبہ اپنے بارے میں کچھ بیان فرمارہے تھے، پھر فرمایا کہ تم لوگ سوچتے ہوں گے کہ اپنا عیب خود بیان کررہے ہیں، جب اپنا عیب بغرض اصلاح بیان کیا جائے تو ٹھیک ہے۔

رات دن میں کئی مرتبہ لوگوں کے سامنے توبہ کرتے اور فرماتے کہ تم لوگ گواہ رہنا میں تم لوگوں کے سامنے اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔

حضرت ہمیشہ سیدھے بیٹھ کر کوئی چیز تناول فرماتے تھے، یعنی اگر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوتے، تو سیدھے بیٹھ جاتے، پھر تناول فرماتے، اور فرماتے کہ حضرت نبیٔ اکرم ﷺ کبھی ٹیک لگا کر نہیں کھاتے تھے۔

نیز ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ٹیک لگائے ہوئے تھے، کھانے کے لیے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، اور فرمایا کہ آپ ﷺ کبھی ٹیک لگا کر نہیں کھاتے۔ ایک مرتبہ حضرت نبیٔ اکرم ﷺ ٹیک لگا کر کچھ تناول فرمارہے تھے کہ جبریل علیہ السلام تشریف لائے، اور فرمایا: کیسے کھا

رہے ہو؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا: کیسے کھاؤں؟ حضرت جبریل نے فرمایا کہ ایسے کھاؤ جیسے غلام کھاتا ہے۔ (الناسخ والمنسوخ لابن شاھین ص/ ۲۷۸)

جب کافی کمزوری کی وجہ سے سیدھے بیٹھنے کی ہمت نہ ہوتی اور مجبوراً ٹیک لگا کر کچھ تناول فرماتے، تو لوگوں سے کہتے کہ بچو! میں کبھی ٹیک لگا کر نہیں کھاتا تھا، جب سے بہت کمزوری ہوئی ہے، تب سے کبھی کبھی ٹیک لگا کر کھانا پڑتا ہے۔

ایک مرتبہ چھوٹے کمرے (یہ کمرہ حضرت کے قیام کے کمرے کے علاوہ حضرت کے مہمانوں کے لیے تھا) کی ایک الماری میں کسی طرح آگ لگ گئی، اور الماری میں کچھ رقم میری تھی، کچھ حضرت کی اور اس الماری میں کچھ کتابیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ جو رقم میری تھی، وہ تو الماری کے بیچ میں تھی، اور جو حضرت کی تھی وہ الماری کے ایک کونے میں رکھی ہوئی تھی، میرے ذہن میں یہ تھا کہ ساری رقم ایک ہی جگہ رکھی تھی، اس لیے ساری رقم جل گئی۔ حضرت کو دوسرے دن بندے نے بتایا کہ چھوٹے کمرے کی الماری میں کسی نے آگ لگادی تھی، اور اس میں جو رقم تھی، وہ جل گئی۔ حضرت نے انتہائی نرم لہجے میں فرمایا کہ چلو جو مقدر تھا وہ ہو گیا۔ پھر اگلے دن فرمایا: ارے سارے پیسے جل گئے؟ میں نے عرض کیا جی سارے پیسے جل گئے۔ گویا حضرت یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ سارے نہیں جلے۔ لہٰذا میں نے دیکھا تو الماری کے ایک کونے میں حضرت کی رقم بالکل کالی ہو چکی تھی۔

فرمایا کہ اگر سب کچھ دعا سے ہوتا تو حضور ﷺ خانۂ کعبہ میں بیٹھ کر دعا کرتے رہتے اور کچھ نہ کرتے۔

رمضان میں فضائل اعمال پڑھی جا رہی تھی، ایک مفتی صاحب نے بعد از فراغت کہہ دیا: حضرت! حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے خلاف لکھا ہے، شیخ ایک منٹ

خاموش رہے، پھر فرمایا کہ حضرت تھانوی کی بات کوئی حرفِ آخر تھوڑی ہے اور بہت ناراض ہوئے، پھر فرمایا کہ تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ یہ بات حضرت تھانوی کی بات کے خلاف ہے، اور حضرت تھانوی نے اس کے خلاف لکھا ہے؟ بہرحال ان کی اس بات پر حضرت بہت ناراض ہوئے۔

فرمایا کہ میں نے ائیر پورٹ پر جمع بین الصلوٰتین کی، تو کسی نے کہا کہ کیا آپ حنفی نہیں ہیں، میں نے کہا کہ میں حنفی ہوں، لیکن کٹا ٹرہ میں سے نہیں ہوں۔

میرٹھ مولانا شاہین جمالی صاحب کے یہاں حضرت ختم بخاری شریف میں جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک مولوی صاحب کو بطور خاص مولانا نے بلا رکھا تھا وہ حضرت کے تشریف لے جانے کے دو تین گھنٹے کے بعد حضرت سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے، جب حضرت سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے، تو حضرت نے ان مولوی صاحب سے فرمایا کہ میاں آپ کے اندر کبر ہے، مجھے یہاں آئے ہوئے کافی دیر ہوگئی ہے اور آپ اب آرہے ہو؟

فرمایا کہ میں اللہ کا ید تسلیم کرتا ہوں، لیکن وہ کس طرح ہے، ہمیں معلوم نہیں۔ جب اللہ نے اپنے لیے ید کا اطلاق کیا ہے، تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم اس کی تاویل کریں، میں تاویل کا قائل نہیں ہوں۔

فرمایا کہ میں کسی کی مکمل طور پر تقلید نہیں کرتا، لیکن بخاری کی مکمل طور پر تقلید کرتا ہوں۔

فرمایا کہ میں کسی کے پاس بیٹھتا اٹھتا نہیں ہوں، اپنے کام میں مشغول رہتا ہوں۔ زمانۂ طالب علمی میں ایک ساتھی نے چائے پلانے کے لیے بٹھا دیا، بہت وقت ضائع ہوگیا، اس وقت سے میں نے توبہ کرلی کہ اب کسی کے پاس بالکل نہیں بیٹھوں گا۔

مجھ سے فرمایا کہ روزی کے لیے زیادہ پریشان نہ ہو، اللہ نے حضور ﷺ سے فرمایا: وَ مَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا، یہ نص قطعی ہے، اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

فرمایا کہ بچو میری کوئی اولاد نہیں ہے، میرے لیے میرے بعد قرآن پڑھنا اور کچھ صدقہ بھی دینا۔

فرمایا کہ ایک مرتبہ میں مسجد میں گیا، دیکھا کہ میرے ایک استاذ کے پاس موزہ نہیں ہے، میں نماز کے بعد اپنا مستعمل موزہ لے کر حاضر خدمت ہوا، اور اس موزے کو پیش کر کے عرض کیا کہ حضرت میرے پاس یہ مستعمل موزہ ہے، آپ اسے استعمال کرلیں، حضرت نے رکھ لیا۔ اس دن سے میرے پاس اتنے موزے آنے لگے کہ جو بھی آتا موزہ لے کر آتا، اتنے ہیں کہ میں دکان کھول سکتا ہوں۔

فرمایا کہ گجرات کے ایک صاحب مجھ کو کچھ ہدیہ بھیجا کرتے تھے، انتقال سے پہلے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میں ان کو ہدیہ دیا کرتا تھا، یہ سلسلہ بندمت کرنا، پھر ان کے بیٹے مجھ کو ہدیہ بھیجا کرتے۔ فرمایا کہ یہ ہے گجراتیوں کا مزاج۔

فرمایا کہ نہ تو آدمی فتنے کا سبب بنے، نہ تو فتنے میں پڑے۔

فرمایا کہ ترقی اعمال سے ہوتی ہے۔

انتقال سے ایک دن پہلے فرمایا کہ برادری کوئی چیز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ذات، برادری کو محض تعارف کے لیے بنایا ہے: یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا (لَاتَفَاخَرُوْا) اللہ نے ذات برادری کو اس لیے نہیں بنایا کہ اس کو لے کر ایک دوسرے پر فخر کرو، بلکہ تعارف کے لیے بنایا ہے۔ پھر فرمایا کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللہِ اَتْقٰکُمْ اللہ کے یہاں تو تقویٰ کی اہمیت ہے۔ بارہا یہ نصیحت فرماتے رہتے اور جب یہ آیت

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللہِ اَتْقٰکُمْ پڑھتے، تو ایسا لگتا کہ گویا براہِ راست دل سے آواز نکل رہی ہو۔

انتقال سے ایک دن پہلے بعد العصر کہیں سے آم آئے، بندہ سے فرمایا کہ خود بھی کھاؤ اور مہمانوں کو بھی کھلاؤ سنت کی نیت سے۔

(انتقال سے پہلی رات) انتہائی شفقت کے ساتھ فرمایا کہ ہاشم تم کہاں ہو؟ شیخ کی چوں کہ طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اس لیے وہیں بیٹھا ہوا تھا (شیخ کے بستر پر ایک کنارے) میں نے عرض کیا میں یہیں آپ کے پاس ہوں۔ گویا کہ از قبیل شفقت آخری بات تھی، جو انتہائی شفقت پر مبنی تھی۔ بالفاظِ دیگر انتہائی تکلیف میں بھی شفقت فرماتے تھے۔

ایک طالب علم نے شیخ سے معلوم کیا کہ حضرت میں مدینہ پڑھنے جانا چاہتا ہوں، فرمایا: چلے جاؤ! اگر تم کو اپنے اوپر اطمینان ہو کہ وہاں کے غیر مقلد لوگ تم کو اپنی طرف مائل نہیں کر پائیں گے۔

فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب (مفتی مظفر حسین صاحب) مزاج مظاہری رکھتے تھے، کہ مظاہری مزاج کیا؟ صوفیانہ مزاج۔

ایک مدرسہ میں تشریف لے جا رہے تھے، مدرسہ کے دروازے پر پہنچے فرمایا کہ گاڑی موڑ لو، مجھے یہاں سے لواطت کی بو آ رہی ہے۔

حضرت اکل کوا بخاری شریف ختم کرانے کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں عصر کے وقت پہنچے، عصر کی نماز پڑھ کر حضرت نے کچھ دیر آرام فرمایا۔ جب مغرب پڑھ کر حضرت دار الحدیث تشریف لے گئے، وہاں سبق سے فارغ ہو کر آرام کے کمرے میں تشریف لائے، تو مولانا غلام صاحب وستانوی نے فرمایا کہ حضرت ہمارے ایک طالب علم نے خواب دیکھا کہ حضور کا جنازہ مہمان خانہ میں رکھا ہوا ہے، تو اس طالب علم نے ایک استاذ

سے اس کی تعبیر پوچھی، تو ان استاذ نے جواب دیا کہ حضرت کی تشریف آوری ہو رہی ہے۔ یہ خواب سن کر حضرت نے فرمایا کہ اگر پہلے بتایا ہوتا تو میں کچھ دیر اور بولتا۔

تین مولوی پاکستان سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور خیریت معلوم کرنے کے بعد بیٹھ گئے۔ ان میں سے ایک سے حضرت نے پوچھا کہ تم حافظ ہو؟ انھوں نے عرض کیا نہیں، البتہ میرے بیٹے سب حافظ ہیں۔ حضرت نے فرمایا: میاں! آپ کے اندر کبر ہے، میں پوچھ رہا ہوں آپ سے، اور آپ اپنے بیٹوں کو پیش کر رہے ہیں۔

فرمایا کہ حضرت مولانا قاری صدیق صاحب باندویؒ[1] مدرسے کے قریب ایک گلی میں کھڑے تھے، ایک بھنگن آئی اور کسی کا بیت الخلاء صاف کرنے لگی، (جس طرح پہلے ہوا کرتے تھے، باہر سے صاف کیے جاتے تھے) ایک چھینٹ حضرت کے کپڑے پر پڑ گئی، حضرت نے اس کو ڈانٹ دیا، اگلے روز حضرت قاری صاحب وہیں کھڑے ہو گئے، اور جب وہ بھنگن آئی تو اس سے معافی مانگی۔ جب تک اس نے یہ نہیں کہا کہ میں نے معاف کر دیا، اس وقت تک وہاں سے نہ ہٹے۔ پھر فرمایا کہ یہ تھے حضرت قاری صاحب۔

حضرت کے سامنے کسی نے ایک مرتبہ مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کا واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا سے کوئی پانی پڑھوانے کے لیے آیا، اس کی بیوی کی طبیعت خراب تھی، جب وہ ناظم صاحب کے سامنے آیا تو مارے ڈر کے، اس کے منہ سے بجائے بیوی کے

---

[1] حضرت قاری صاحب کا یہ واقعہ بکثرت سناتے تھے کہ مدرسہ کی چھت پر طلبہ طوفان کر رہے تھے۔ حضرت نے نیچے سے پکارا: ارے کیا کر رہے ہو؟ اور اوپر جانا شروع کیا۔ طلبہ ڈر گئے۔ حضرت کو ایک دم اندیشہ ہوا کہ کہیں طلبہ میں مارے ڈر کے بھگدڑ نہ ہو جائے، کہیں کوئی گر نہ جائے، کسی کو لگ نہ جائے؛ بس نیچے ہی سے فرمانے لگے: مطمئن رہو! میں نہیں آ رہا ہوں، میں نہیں آ رہا ہوں۔ یہ سناتے ہوئے بہت ہنستے تھے، حضرت کی سادگی پر۔ ط۔س۔

شوہر نکل گیا کہ میرے شوہر کی طبیعت خراب ہے، اس کے لیے پانی دم کر دیجیے۔ وہاں موجود لوگوں کی ہنسی نکل گئی، اور حضرت ناظم صاحب کی بھی ہنسی نکل گئی، اس کے بعد ناظم صاحب اس کو ایک کمرے میں لے گئے، اور اس سے معافی مانگی اور اس کو بہت سارے ہدیے دئے۔ اس پر فرمایا کہ حضرت تو حضرت ہی تھے۔

دو بھائی ایک مدرسہ میں شریک تھے، دونوں میں اختلاف ہو گیا، ایک کہہ رہے تھے کہ مدرسہ کو رجسٹریشن کرواؤ، دوسرے منع کر رہے تھے، اور اس کے سخت مخالف تھے۔ بہر حال دونوں ہی شیخ کے پاس آیا کرتے تھے، شیخ کو اس مخالفت کا علم ہوا، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ان میں سے ایک شیخ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے اور اٹھ کر جانے لگے، تو کچھ ہدیہ بصورتِ رقم دینا چاہا، حضرت نے فرمایا: پہلے اپنے اختلاف کو ختم کرو، میں ایسا ہدیہ نہیں لیتا۔

فرمایا کہ جو مجھے موٹی رقم دیتا ہے، میں مدرسہ میں دے دیتا ہوں، زکوۃ، صدقہ کے پیسے ہوتے ہیں، لوگ نام رکھ دیتے ہیں ہدیہ۔ اور جو سو، دوسو دیتا ہے، اس کو اپنے لیے رکھتا ہوں۔

ایم پی سے تشریف لا رہے تھے، ٹرین میں دروازے سے گھستے ہی۔۔۔ایک سیٹ ہماری تھی، اور تین کسی اور کی، جب ہم کھنڈوا سے سوار ہوئے، تو وہ تینوں سیٹیں خالی تھیں۔ اکثر لوگ جو شیخ کے ساتھی تھے، وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب بقیہ تین لوگ بھوپال سے سوار ہوئے، تو قاری انعام صاحب (دہلی) نے ان سے کہا کہ ہماری تین سیٹیں دوسرے ڈبے میں ہیں، آپ وہاں چلے جائیں، وہ لوگ غیر تھے، تیار نہیں ہوئے، بہر حال ایک سیٹ پر میں اور شیخ رہ گئے، اور باقی لوگ دوسرے ڈبے میں چلے گئے۔ حضرت سو رہے تھے، میں ان کے پیروں کی طرف بیٹھا تھا۔ رات میں دوسرے لوگ جو حضرت کے ساتھ تھے، وقفے وقفے سے آتے رہتے تھے، اور اسٹیشنوں پر بھی لوگ ملاقات کے لیے آتے تھے۔ وہ لوگ

بھی یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ جب صبح ہوگئی اور دہلی قریب آ گیا، تو اس غیر مسلم کی بیوی نے مولانا انعام صاحب سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا ہمارے حضرت (گرو) ہیں، اس کی بیوی نے اس کو کہا کہ تم حضرت سے معافی مانگو۔ اس نے حضرت سے معافی مانگی کہ ہماری طرف سے جو تکلیف ہوئی ہو، اس کو معاف کر دیں۔ حضرت نے فرمایا: سب معاف ہے، اور اس نے اپنے بچے کو بھیجا کہ اس کے سر پر ہاتھ رکھو! تو حضرت نے منع فرمایا کہ میں سر پر ہاتھ نہیں رکھتا۔ جب حضرت ٹرین سے باہر نکل گئے، تو اس کی بیوی بہت دیر تک ٹرین کے دروازے پر کھڑی دیکھتی رہی۔

نیز جب ہم لوگ دہلی (شاہدرا) اتر کر کار میں سوار ہو گئے، تو حضرت نے بندے سے پوچھا کہ تمہارا بیگ کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ گاڑی میں رکھ لیا ہے، میرے ذہن میں تھا کہ قاری انعام صاحب نے بیگ گاڑی میں رکھ لیا ہے۔ بہر حال میں نے قاری صاحب (جو باندہ اور ایم پی کے سفر میں ساتھ رہتے تھے) سے پوچھا کہ میرا بیگ رکھ لیا؟ تو قاری صاحب نے فرمایا کہ رکھ لیا۔ پھر دوبارہ حضرت نے معلوم کیا کہ تمہارا بیگ کہاں ہے؟ گویا حضرت اس طرح معلوم فرما رہے تھے جیسے کوئی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو کہ فلاں چیز نہیں ہے۔ پھر میں نے خود دیکھا تو واقعی بیگ نہیں تھا۔ لہٰذا میں نے دوبارہ قاری صاحب سے معلوم کیا تو تحقیق پر پتہ چلا کہ بیگ گاڑی میں ہی رہ گیا ہے، اور گاڑی روانہ ہو چکی تھی، قاری صاحب چوں کہ دہلی ہی کے مقیم تھے، ان کا بیٹا اسٹیشن پر بائک لے کر آیا ہوا تھا، لہٰذا جلدی سے پرانی دہلی بھیجا۔

جب قاری صاحب کے صاحبزادے پہنچے، تو گاڑی بھی پہنچ چکی تھی، اور گاڑی کی صفائی ہو رہی تھی، صفائی کرنے والوں کو وہ بیگ ملا، اس نے سواروں سے پوچھا کہ یہ بیگ

کس کا ہے؟ جب قاری صاحب کے صاحب زادے (سلمان) پہنچ گئے، انہوں نے کہا کہ میرا ہے، ان صاحب نے ان کو وہ بیگ دے دیا۔

خلاصہ یہ کہ حضرت ہی نے بیگ کے نہ ہونے کی اطلاع دی اپنے ادراک سے، اور حضرت ہی کی برکت سے وہ مل بھی گیا۔

ایک مرتبہ دوپہر کے وقت کھانا تناول فرما رہے تھے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت کا دایاں ہاتھ چاول کی پلیٹ میں تھا، اور اس حال میں حضرت نے بائیں ہاتھ سے پانی پیا، اور اس کے بعد فرمایا کہ یہ ثابت ہے، حضور ﷺ نے دائیں ہاتھ سے کھجور اور بائیں ہاتھ سے کھیرا کھایا ہے۔

ایک مرتبہ رات میں حضرت نے پانی منگوایا، حضرت رات میں چار پانچ مرتبہ پانی پیا کرتے تھے، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بائیں ہاتھ سے دھوکے سے پانی پی لیا، جب دارالحدیث میں سبق پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے، تو بیٹھتے ہی فرمایا: بچو! میں نے کبھی بائیں ہاتھ سے پانی نہیں پیا، کل رات دھوکے سے پی لیا، میں سب کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

ایک تبرک

(از: محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا شیخ محمد یونس جونپوری)

شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور، یوپی

عزیزم سلمہ (مولوی محمد طاہر سورتی، استاذ جامعہ اشرفیہ راندیر)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا لفافہ ملا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رجسٹرڈ تھا۔

حضرت مولانا محمد رضا اجمیریؒ کے سانحۂ وفات کا علم ہو گیا تھا۔ اللہ پاک ان کی مغفرت فرما کر درجات سے نوازے۔ اور ان کے اخلاف و متعلقین کو صبر وسکون بخشے۔ صالحین کا دنیا سے رخصت ہونا بعض اوقات اہل دنیا کے لیے کسی ایسی خیر سے محرومی کا سبب بن جاتا ہے، جس کا جلد بدل نہیں ملتا۔ مولانا مرحوم کی مرنجاں مرنج طبیعت تھی، جو ایسا وصف ہے کہ نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہو گیا ہے۔

والسلام

محمد یونس

مظاہر علوم سہارنپور

۱۰؍رجب ۱۴۱۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعزیتی تجویز

(من جانب: دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر) بقلم: مفتی ارشد لولات کاپودروی

تعزیتی تجویز بر وفات حسرت آیات، عالم جلیل، محدث کبیر، ولئ کامل، نمونۂ سلف گنجینۂ علم و معرفت، مخدوم العلماء، مقصود الطلبہ، رأس المتأخرین، استاذ المحدثین، شیخ المشائخ شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور، حضرت اقدس شیخ محمد یونس صاحب جونپوری نور اللہ مرقدہ و برد مضجعہ۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ و صحبہ أجمعین. اما بعد!

گرامی قدر حاضرین! مؤرخہ ۱۶/شوال ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱/جولائی بروز منگل تقریباً ۸/بجے بذریعۂ فون یہ اطلاع موصول ہوئی کہ عصر حاضر کے محدث اعظم، حضرت اقدس شیخ محمد یونس صاحب جونپوری کی طبیعت کافی ناساز ہے، آپ کو ہسپتال میں منتقل کیا جارہا ہے، خاص دعاؤں کی گزارش ہے۔

پھر کچھ دیر بعد ایک دوسری خبر اس جسد خاکی پر صاعقہ بن کر گری کہ مراد المحدثین مرجع العلماء والطلبہ برصغیر ہی نہیں عالم کے مایۂ ناز محدث، ہندوستان کی قدیم مؤقر علمی درس گاہ مظاہر علوم کے منصبِ شیخ الحدیث پر فائز حضرت اقدس شیخ مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ حیات مستعار کی ان آخری سانسوں کے ساتھ اپنا سفر حیات و زندگی تمام کر چکے ہیں اور داعئ اجل کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے اور اپنے مولائے حقیقی کے جوار رحمت میں آسودۂ خواب ہوگئے۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

یا الٰہی کر عطا جنت میں رتبۂ برین

غم کدہ سے جس نے نفرت کا ارادہ کرلیا

یہ روح فرسا اور دل گداز خبر پھیلتے ہی صرف سہارنپور ہی نہیں بلکہ ملک اور بیرون ملک، عالم عرب اور عالم اسلام میں ہر جگہ صفِ ماتم بچھ گئی، طالبانِ علوم نبوت اور علمی حلقوں میں ایک بھونچال کا احساس ہونے لگا، جمیع متعلقین ومحبین کی آنکھیں نم اور دل سوگوار ہو گئے، ہر سو حزن وغم کا ماحول بنتا گیا اور ہر کوئی محتاجِ تسلی نظر آنے لگا۔

مگر کیا کریں موت ایک اٹل حقیقت ہے اس عالم ناسوتی اور جہانِ فانی میں نہ کوئی حیاتِ ابدی لے کر آیا ہے اور نہ کوئی آئے گا؛ بلکہ اس چمنستانِ فانی کا ہر بلبل حیاتِ مستعار لے کر جانے ہی کے لیے آیا ہے۔

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں بلبلیں

اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

خدائے خالقِ حیات وممات نے ہر آنے والے کے لیے جانے کی ساعت وگھڑی اس طرح متعین فرمادی ہے کہ کوئی اس سے سرِ موانحراف وتجاوز نہیں کرسکتا، کما قال تعالی: اِذَاجَاءَ اَجَلُھُمْ فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ، مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض خاصانِ خدا اور موفق من اللہ شخصیات کا وجود پورے خطے، علاقے بلکہ پوری ملت کے لیے سراپا رحمت ہوتا ہے، ان کے وجودِ باجود سے قوم وملت کو غیر معمولی نفع پہنچتا ہے۔ یقیناً ان کی رحلت امت کا زبردست نقصان اور بہت بڑا خلا ثابت ہوتی ہے، انہیں چنیدہ وچیدہ مقتدر شخصیات میں حضرت شیخ مرحوم کی ذات گرامی بھی تھی۔

حضرت شیخ ممدوح علم کا آفتابِ جہاں تاب، استقامت کا پہاڑ، وفا کا مینار، حیا کا

پتلہ، اسلام کے علوم کا محافظ وامین "اليواقيت الغالية فی تحقيق وتخريج الأحاديث العالية" اور "نبراس الساری إلى رياض البخاری" جیسی وقیع کتب کے مؤلف ومصنف، درجنوں گراں قدر علمی تحقیقات کے مرتب، شریعت وطریقت کے جامع، زہد وقناعت اور تقویٰ وورع کے پیکر، ترجمانِ بخاری، حافظ حدیث، ذہبیٔ زماں، سینکڑوں کفش برداروں کے پیر ومرشد، ہزارہا علماء وفضلاء کے روحانی پدر، فقید المثال، نابغۂ روزگار اور بے مثال شخصیت کے مالک تھے۔ بقول شاعر ؎

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر

خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

مولانا مرحوم کی ولادت باسعادت ۲۵/رجب المرجب مطابق ۲/۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں اپنے وطن کھیتا سرائے، ضلع جونپور میں ہوئی، جب آپ پانچ سال دس ماہ کے ہوئے تو والدہ ماجدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، آپ کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی اور عالمیت کی ابتدائی تعلیم ۱۳/سال کی عمر میں مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں ضلع جونپور میں ہوئی۔

پھر شوال ۱۳۷۷ء میں اپنے اساتذۂ کرام کے مشورہ سے مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور ۱۳۸۰ھ میں سند فراغت حاصل کی اور ۱۳۸۱ھ میں آپ کے مربی ومشفق استاذ ناظم مظاہر علوم، حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ نے آپ پر اعتماد کرتے ہوئے معین المدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر فرمایا، پھر مستقل استاذ کی حیثیت سے آخری دم تک تدریس کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

۱۳۸۸ھ میں باوجود نوعمری اور جواں سالی کے آپ کی فہم وفراست، خداداد ذہانت وصلاحیت، باطنی وروحانی کیفیات کو دیکھ کر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے ایما پر

آپ اس مؤقر ترین علمی درس گاہ کے شیخ الحدیث کے منصب جلیل پر براجمان ہوئے اور آخری لمحہ تک (تقریباً نصف صدی) تشنگانِ علومِ نبوت اور طالبانِ کتاب وسنت کو سیراب کرتے رہے، ہندوستان کے مختلف مدارس وجامعات کے علماء کبار ومحدثین کے علاوہ عالم عرب کے نامور کبارِ محدثین آآکر آپ سے علمی استفادہ کرتے رہے اور قیمتی لعل وگوہر اور عمدہ علمی جواہر سے اپنے دامن بھرتے رہے۔ جب بھی حجازِ مقدس کا سفر ہوتا، تو مختلف مجالس میں دروس حدیث کا اہتمام ہوتا، علماء ومحدثین اجازتِ حدیث کے لیے آپ کے گرد جمع ہوجاتے۔

۱۶؍شوال ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱؍جولائی ۲۰۱۷ء شب میں آپ کی طبیعت بے چین ہوئی، ناف میں سخت درد اٹھا، بعد نماز فجر ضعف وکمزوری کا زیادہ احساس ہوا تو اراکین جامعہ اور ارباب انتظام نے آپ کو سہارنپور کے مشہور ہسپتال میڈی گرام میں منتقل کیا، مگر کاتبِ تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا، تقریباً ساڑھے نو بجے داعیٔ اجل کی پکار پر شاداں وفرحاں لبیک کہتے ہوئے عالم آخرت کی طرف کوچ کرجاتے ہیں اور اپنے پسماندگان وعلمی وارثوں کو سوگوار وماتم کناں چھوڑ کر رب رحمان کی جوار رحمت میں آسودۂ خواب ہوتے ہیں، اس طرح آسمانِ علم وعرفان کا یہ آفتاب اور افقِ علم حدیث کا یہ ماہتاب ایک عالم کو منور کرتا ہوا ہمیشہ کے لیے روپوش ہوجاتا ہے۔

اسی روز بعد نماز عصر تقریباً ۶؍بجے آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، جس میں کئی لاکھ افراد نے شرکت کی، یہ من جانب اللہ آپ کی مقبولیت اور ہردل عزیزی کی دلیل ہے اور آپ کو حاجی شاہ کمال قبرستان میں اپنے مرشد وشیخ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رامپوریؒ کے جوار میں دفن کیا گیا۔

شیخ مرحوم کا سانحۂ ارتحال ’’موت العالِم موت العالَم‘‘ کا واقعی اور حقیقی مصداق ہے،

مرحوم کا انتقال پر ملال علماءِ حق کی صف کا بہت بڑا خلا ہے، جس کا ملا بظاہر مشکل ہے، آج کا یہ تعزیتی اجلاس شیخ مرحوم کی وفات کو امت مسلمہ کا ایک بہت بڑا خسارہ تصور کرتا ہے اور اس سانحہ پر شدید رنج وغم اور افسوس کا اظہار کرتا ہے اور دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ شیخ مرحوم کی علمی و روحانی وقیع خدمات کو شرف قبول عطا فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ وارفع مقام عطا فرمائے اور آپ کے جمیع متوسلین و متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، اور امت مسلمہ کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

سایہ گستر روح پر اس کی خدا کی ذات ہو
حشر تک اس کی لحد پر نور کی برسات ہو
ابرِ رحمت ان کی مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے
ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

بقلم طالب دعا (محمد ارشد لولات، فلاحی)
خادم دار العلوم فلاح دارین، ترکیسر
۲۰ رشوال ۱۴۳۸ھ
مطابق ۱۵ر جولائی ۲۰۱۷ء بروز سنیچر

حافظ ابن حجر اور علامہ عینیؒ

ابن عمادؒ فرماتے ہیں: جامع مؤید، مصر کے بابِ زویلہ کے شمالی برج پر بنا ہوا منارہ جھک گیا، اور گرنے کے قریب ہو گیا، لوگ ڈرنے لگے، اور اس کے ارد گرد سے ہٹ گئے۔ تو بادشاہِ وقت نے اس کو گرانے کا حکم دیا، چناں چہ اسے بہ سہولت گرا دیا گیا، یہاں تک کہ لوگ اس کے شر سے محفوظ ہو گئے۔ بادشاہ کے کارکن ہی نے منارہ بنایا تھا اور اس کا نگران ابن برجی تھا۔ چناں چہ تقی الدین بن حجہ نے اس پر چند اشعار کہے۔

علی البرج من بابِی زویلة أُنشِئت	منارة بیت الله و المعبد المنجی
فأخنی بها البرج الخبیث أمالها	ألا صرِّحوا یاقوم! باللّعن للبرجیی

بابِ زویلہ کے برج پر اللہ کے گھر اور نجات دہندہ عبادت خانے کا منارہ بنایا گیا، مگر خبیث و ناپاک برج نے اسے جھکا دیا۔ اے لوگو! برجی (عمارت کا نگران) پر برسرِ عام لعن طعن کرو۔

لجامع مولانا المؤید رونق	منارته بالحسن تزهو و بالزین
تقول و قد مالت عن القصد أمهلوا	فلیس علی جسمی أضر من العین

یعنی جناب مؤید کی جامع مسجد بڑی بارونق ہے۔ اور اس کا منارہ حسن و زینت کی وجہ سے بڑا خوشنما، لیکن جب وہ جھکا تو اس نے کہا کہ: مجھ پر رحم کرو، کیوں کہ میرے جسم کے لیے ''عین'' (چشم بد) سے زیادہ نقصان دہ کوئی چیز نہیں۔

(اس شعر میں لطف یہ ہے کہ اس میں ''عین'' کو ''عینی'' پڑھا جاتا ہے، جس سے علامہ عینی پر تعریض ہوتی ہے۔ ملک مؤید کو یہ واقعہ ملا تو اس نے علامہ عینی کے پاس بھیج دیا، اس پر علامہ عینی نے دو شعر لکھ کر واپس بھیجے)۔

منارۃ کعَروس الحسن إذْ جلیت	و ھدمھا بقضاء اللہ و القدر
قالوا أصیبت بعین، قلت ذاغلط	ماأوجب الھدم إلا خسۃ الحجر

یعنی یہ منارہ عروس حسن کی طرح درخشاں ہے، اوراس کا گرنا محض اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کی وجہ سے ہوا ہے، لوگ کہنے لگے کہ اسے نظر لگ گئی، میں نے کہا کہ غلط ہے، دراصل وہ اپنے ''حجر'' (پتھر) کے فساد کی بنا پر گرا ہے۔ (شذرات الذھب ۹/۲۱۱)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کے مسلک سے متعلّق ضروری وضاحت

چند مختلف فیہ مسائل کی تحقیق؛ دلائل اور حضرت کی تحریرات کی روشنی میں (قسط اول)

مرتب: محمد زید مظاہری ندوی

استاذِ حدیث وفقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

عرضِ مرتّب:

احقر نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونسؒ کے حالات پر مشتمل دو مقالے لکھنے کا ارادہ کیا تھا، ایک حضرت کے علمی کمالات پر مشتمل تھا، اور دوسرے حضرت کے عملی کمالات پر۔

پہلا مقالہ لکھنے کے ضمن میں حضرت شیخ کے مسلک اور تقلید وعدمِ تقلید کی بحث بھی آ گئی کہ آپ کسی مسلک کے مقلّد ومتّبع تھے یا نہیں؟ یا سلفیت اور غیر مقلدیت کی طرف مائل تھے۔ لوگوں نے اِس سلسلے میں مختلف باتیں اپنی اپنی معلومات اور ذوق کے مطابق فرمائی ہیں، احقر نے اِس موضوع کو ضرورۃً قدرے تفصیل سے حضرت شیخؒ کی تحریرات کی روشنی میں تحریر کیا ہے، جس سے بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور ہر شخص بآسانی فیصلہ کر سکتا ہے کہ آپ کسی مسلک کے مقلّد ومتّبع تھے یا نہیں؟ تھے تو کس مسلک کے؟

اِس سلسلے میں احقر نے اِسی نوع کے چند اختلافی مسائل بھی ذکر کیے ہیں، مثلاً: استویٰ علی العرش اور صفاتِ باری تعالیٰ کی بحث؛ اِس غرض سے کہ یہ مقالہ صرف حضرت شیخ کے مسلک کی وضاحت ہی کے لیے نہ ہو، بلکہ اِس بہانے اِن مختلف فیہا مسائل کی تحقیق بھی دلائل کی روشنی میں ہو جائے، اور جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کی پوری وضاحت اور صحیح

بات بھی لوگوں تک پہنچ جائے؛ اِسی غرض سے احقر نے اِن چند مسائل کی تفصیل عرض کی ہے، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرمائے، اور خیرِ کثیر کا ذریعہ بنائے۔

محمد زید مظاہری ندوی

استاذِ حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۰ محرّم ۱۴۳۹ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین، و الصلاۃ و السلام علی سید المرسلین محمدٍ و علی آلہ و أصحابہ أجمعین.

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کے مسلک کی وضاحت کا محرّک:

احقر کا احساس یہ ہے کہ کسی شخص یا جماعت کے بارے میں اِس بات کو موضوعِ بحث بنانا کہ اُن کا مسلک کیا تھا، وہ مقلّد تھے یا غیر مقلّد، حنفی وشافعی تھے یا مالکی وحنبلی؟ اگر اِس میں امّت کا کوئی علمی یا دینی فائدہ نہ ہو، تو یہ بحث محض لاحاصل ہے؛ بلکہ بسا اوقات مُضر ہو جاتی ہے کہ اُن کے مآثرِ علمیّہ سے استفادے میں رکاوٹ بن سکتی ہے کہ وہ تو ہمارے مسلک اور ہماری جماعت سے خارج تھے، اور اُن کے افکار وخیالات ہمارے اکابر ومشائخ سے علیٰحدہ تھے یہ بدگمانی بسا اوقات بدزبانی کا بھی ذریعہ بن جاتی ہے، ورنہ کم از کم استفادے کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے؛ اس لیے بلاضرورت اِس بحث میں پڑنے کی کوئی خاص منفعت نہیں، البتہ بوقتِ ضرورت، بقدرِ ضرورت اس کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کے تعلّق سے اُن کی حیات میں بھی اور

بعد وفات بھی مختلف قسم کی ایسی باتیں لوگوں کی تقریروں وتحریروں میں آئی ہیں، جن سے لوگ حضرت شیخؒ کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہوسکتے ہیں یا غلط فہمی کا شکار ہوسکتے ہیں، جس کا نقصان یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت شیخ کے علمی واصلاحی افادات؛ خواہ وہ کسی بھی نوعیت کے ہوں، مثلاً: آپ کے مکاتیبِ علمیّہ، درسِ بخاری اور کتبِ حدیث اور فنِّ حدیث سے متعلق مختلف مباحثِ علمیہ، اور مختلف موضوعات سے متعلق آپ کے لکھے ہوئے اجزاء ورسائل اِن سب کو بھی ناواقف حضرات اسی شک کی نگاہ سے دیکھنے لگیں گے۔

حضرت شیخؒ کی وفات کے بعد مختلف مضمون نگار حضرات نے حضرتؒ کے حالات اور آپ کے افکار ونظریات کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ: آپ پکّے حنفی اور دیوبندی تھے، اور بعض مسائل میں اپنی تحقیق کی وجہ سے اختلاف کرنے سے حنفیت ودیوبندیت سے خارج نہیں ہوجائیں گے۔ بعض لوگوں نے فرمایا کہ آپ ابتدائی دور میں تو مقلد تھے، اور حنفی تھے؛ لیکن بعد میں سلفیت کی طرف مائل ہوگئے، تقلید کے دائرے سے نکل کر گویا غیر مقلد بن گئے۔

بعض حضرات نے حضرتؒ کا یہ مقولہ تحریر فرمایا کہ حضرت نے فرمایا: اگر میں کسی امام کا مقلد ہوتا تو امام شافعیؒ کا مقلد ہوتا۔

بعض حضرات نے تحریر فرمایا: حضرت محدّث تھے، اہلِ حدیث کے مسلک پر تھے، کسی امام کے مقلّد نہ تھے۔

بعض مضمون نگار حضرات نے آپؒ کے درسِ بخاری کے چُن چُن کر چند ایسے اقتباسات جمع کردئے، جن سے یقینی طور پر یہ تاثر ہوتا اور ذہن بنتا ہے کہ حضرت شیخؒ کسی امام کے مقلّد نہیں تھے، سلفی ذہن رکھتے تھے، فروعی مسائل کے علاوہ اصول وعقائد میں بھی

سلفیت کی طرف مائل تھے، اور چوں کہ حوالوں کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے، اقتباسات بھی نقل کیے ہیں، اس لیے قارئین کا اِس سے متأثر ہونا اور شکوک وشبہات میں مبتلا ہونا یقینی ہے، جس کا ضرر خدانخواستہ ہوسکتا ہے کہ حضرت شیخ کی علمی تحقیقات وافادات اور درسِ بخاری وغیرہ اتنی قدر ومنزلت اور اتنی عقیدت ومحبت سے نہ دیکھی و پڑھی جائیں، جس کی وہ مستحق ہیں۔

اس لیے واقعی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ حضرت شیخؒ کے افکار وخیالات اور ان کے عقیدہ ومسلک کی وضاحت کردی جائے، تاکہ لوگ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ اور اِس سلسلے میں احقر کی کوشش یہی ہوگی کہ جو کچھ عرض کیا جائے حضرتؒ ہی کی تقریر یا تحریر کے حوالے سے عرض کیا جائے۔

الحمد للہ! احقر کا حضرتؒ سے قریبی تعلق رہا ہے، کئی سال حضرت اقدس کی خدمت کرنے اور حضرت کی صحبتِ صالح سے مستفید ہونے کی سعادت حاصل رہی ہے، حدیثِ پاک کی کتابیں: بخاری ومسلم کے علاوہ فقہ وفتویٰ کی مشہور کتابیں: درِّ مختار ورسم المفتی بھی حضرت سے پڑھنے کی سعادت ملی ہے، حضرت کو بہت قریب سے سفر وحضر میں دیکھا اور سمجھا ہے، الحمد للہ! سفرِ حج میں بھی حضرت کی معیت کی توفیق ملی ہے۔

حضرت کی علمی واصلاحی مجالس میں برابر شرکت رہتی تھی، اور حضرت کی علمی مجالس و ملفوظات کو کئی کاپیوں میں جمع بھی کیا ہے، اور خود حضرتؒ نے اِس ناکارہ پر حسنِ ظن اور اعتماد رکھتے ہوئے اپنے تمام مکاتیبِ علمیہ- جو متعدد دفاتر میں محفوظ تھے- احقر کے حوالے کر کے اس کو مرتب کرنے کا حکم دیا، اس لیے احقر جو کچھ بھی عرض کرے گا ان ہی مکاتیبِ علمیہ یعنی حضرتؒ کی تحریرات کی روشنی میں پوری بصیرت اور دیانت کے ساتھ عرض کرے گا۔

حضرت شیخؒ کے مسلک اور اُن کی فکر ونظر معلوم کرنے کا سب سے زیادہ اطمینان

بخش، قابلِ اعتماد طریقہ یہ ہے کہ مختلف موضوعات، خصوصاً اختلافی مسائل سے متعلق آپ سے کیے گئے سوالات کے جوابات کو بغور دیکھ لیا جائے کہ وہ کس مسلک کے ہیں، اُن میں کس مسلک کی نمائندگی وترجمانی اور حمایت ووکالت کی گئی ہے، سلفی مسلک کی اور ابن تیمیہ و ابن قیم کی فکر ونظر اور غیر مقلدین کے نقطۂ نظر کی وکالت کی گئی ہے، یا ائمۂ اربعہ میں سے کسی امام مثلاً: امام ابوحنیفہ وامام شافعیؒ وغیرہ کے مسلک کی ترجمانی کی گئی ہے؟

اِس حقیقت پر غور کرنے سے ادنیٰ علم وفہم رکھنے والا بھی بہ آسانی فیصلہ کرسکتا ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے اساتذہ واکابر اور اپنے مشائخ کے مسلک وعقیدہ اور اُن کے مشرَب پر قائم تھے یا نہیں؟ آئندہ سطور میں ہم اِسی غرض سے مختلف موضوعات سے متعلق حضرت شیخؒ کے لکھے ہوئے سوالات کے جوابات بہ طورِ نمونہ کے عرض کریں گے۔

اِس سلسلے میں سب سے پہلے ہم حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحبؒ ہی کی ایک اصولی تحریر عرض کردیئے ہیں، جس میں حضرتؒ نے خود ہی تحریر فرمایا ہے کہ کسی شخصیت کے عقیدے ومسلک کو معلوم کرنے کے قابلِ اعتماد طریقے کیا ہوسکتے ہیں۔

کسی شخصیت کے عقائد اور افکار ونظریات معلوم کرنے کا طریقہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب سے کسی سوال کرنے والے نے یہ سوال کیا کہ حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو فرقۂ ضالہ اور مرجئہ میں شمار کیا ہے، اس کے متعلق کیا تحقیق ہے؟

حضرت اقدس نے اس کا تفصیلی جواب تحریر فرمایا ہے؛ لیکن اصل جواب سے قبل اُصولی انداز میں یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ:

کسی شخص کے خیالات جاننے کی صورتیں اور اس کے عندیات وعقائد معلوم کرنے، معلوم ہونے کے دو ہی ذریعے ہیں:

ایک: اُس کی تصانیف۔ دوسرے: اُس کے اَتباع۔

تصانیف تو اِس وجہ سے کہ مصنف اُس میں اپنے مافی الضمیر اور عندیّات کو ذکر کرتا ہے، خدانخواستہ اگر مصنف دوسرے کے لیے آلۂ گفتار ہو تو بھی وہ اَثنائے کلام میں اپنے خیالات کا پَرچار کرتا رہتا ہے، اور جب کہ مصنف خود مستقل ہو، کسی کا پابند نہ ہو تو پھر تو وہ اُس میں کوئی کسر ہی نہیں اُٹھا رکھتا۔

اور متّبعین اِس وجہ سے کہ وہ اُن ہی اعمال وکردار کو اَپنائیں گے جو اُن کا رہبر کرتا رہا، اور اُسی طریقہ پر گامزن ہوں گے جس پر اُن کا رہنما چلاتا رہا۔ (نوادر الحدیث، مکاتیب علمیہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب، مرتبہ محمد زید ص:۵۸۵)

حضرت شیخ کے بیان کردہ ضابطے کے مطابق کسی شخص کے عقائد وخیالات کا پہلا اطمینان بخش طریقہ یہ ہے کہ اُس کی تحریرات وتصانیف کو دیکھا جائے، دوسرے اس کے پیروکار و متبعین اور اس کے تلامذہ ومریدین کو دیکھ لیا جائے کہ وہ کس مسلک ومنہج پر گامزن ہیں، الحمد للہ! حضرت کے تلامذہ ومریدین مختلف ممالک: افریقہ، برطانیہ قطر وغیرہ میں اور انڈیا کے مختلف صوبوں: گجرات، بہار، یوپی وغیرہ میں ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں، جنھوں نے باقاعدہ طور پر حضرت کی شاگردی اختیار کی، جو اِس وقت دین کی بڑی بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں، کوئی اپنے وقت کا شیخ الحدیث اور شارحِ حدیث ہے، کوئی فقیہِ وقت اور مفتیٔ اعظم ہے، کوئی مصلحِ جلیل اور مبلّغِ کبیر ہے، کوئی تصنیفی وتالیفی اور تحقیقی کام

میں لگا ہوا ہے، حضرتؒ کے ملک و بیرونِ ملک میں پھیلے ہوئے تلامذہ اور مریدین کو دیکھ لیا جائے کہ یہ سب اپنے اکابر و اسلاف کے نقشِ قدم اور اُن کے مشرَب پر ہیں یا نہیں؟ اور عقیدے و مسلک کے لحاظ سے وہ کیا ہیں؟ سلفی، غیر مقلّد، یا کسی امام کے مقلد ہیں؟ حنفی و ماتریدی ہیں یا کچھ اور؟

حضرت شیخؒ کے بیان کردہ ضابطہ کے مطابق حضرتؒ کے تلامذہ کو دیکھ کر بھی حضرت شیخؒ کے عقیدہ و مسلک کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، واللہ اعلم۔

سلفیوں کے مسلک کی تائید یا حنفی مسلک کی تقلید و تائید

ذیل میں ہم چند ایسے مسائل کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن میں سلفیوں، غیر مقلّدوں اور حنفیوں کا اختلاف معروف و مشہور ہے؛ اِسی نوع کے متعدد مسائل کے متعلّق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ سے بھی مختلف مواقع میں سوالات کیے گئے، جن کے آپ نے تفصیلی جوابات تحریر فرمائے، اُن جوابات سے حضرت شیخؒ کے مسلک و عقیدہ اور آپ کی فکر و نظر کا اچھی طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اور ہر شخص بہ آسانی فیصلہ کرسکتا ہے کہ عقیدہ و مسلک کے اعتبار سے حضرت کیا تھے؟

واضح رہے کہ کسی بھی شخصیت کے تعلق سے کسی بھی مسئلے میں اُن کے فرمائے ہوئے ارشادات و ملفوظات اور تقریروں کی وہ اہمیت نہیں ہوتی، جو خود اُن کے کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریرات و تالیفات کی ہوتی ہے، کیوں کہ ارشادات و ملفوظات اور درسی تقاریر میں تو احتمالات ہوتے ہیں کہ طرزِ تعبیر کے بدلنے سے یا ایجاز و اختصار کی وجہ سے کسی موقع پر مافی الضمیر کی ادائیگی پورے طور پر نہ ہوسکی ہو، سیاق و سباق اور طبعی احوال بھی اِس میں مؤثر ہو سکتے ہیں، اور یہ بھی ممکن ہوتا ہے کہ سامعین و مخاطبین اپنے شیخ کی تقریر پورے طور پر اخذ

وضبط نہ کرسکے ہوں، یا سننے اور سمجھنے میں کوتاہی ہوگئی ہو، یا نقل کرنے اور تعبیر میں پوری بات نہ آسکی ہو، چوں کہ ملفوظات اور درسی تقاریر میں یہ سارے احتمالات ہوتے ہیں، اس لیے علماءِ محققین کا فیصلہ یہی ہے کہ کسی بھی محقق ومصنف کے ارشادات وتقاریر کا وہ درجہ نہیں ہے جو اُن کی تصانیف اور لکھے ہوئے جوابات کا ہوتا ہے، کیوں کہ تصنیفات اور فتویٰ نویسی اور علمی مقالات ومکتوبات میں لکھنے سے پہلے محقق خوب چھان بین کرکے پہلے مواد جمع کرتا ہے، بہت غور وخوض کے ساتھ تنقیح کرتا ہے، اپنے ذہن میں ترتیب دیتا ہے، پھر لکھنا شروع کرتا ہے، لکھنے کے بعد بھی نظرِ اول وثانی کرتا ہے، کافی غور وخوض کے بعد اس میں حذف واضافہ بھی کرتا ہے، اس لیے کسی بھی محقق ومصنف کی لکھی ہوئی چیز اس کے افکار وخیالات اور مسلک وعقیدہ کو سمجھنے کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے، جس کی بنا پر یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ کس مسلک ومشرَب سے تعلق رکھتا تھا، اس کے مقابلے میں مجلس میں فرمائی ہوئی باتوں کا یا درسی تقاریر کا بھی اِس درجہ اعتبار نہیں کیا جاسکتا، یعنی تقریر کو تحریر کا درجہ ہرگز نہیں دیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخؒ نے خود ہی تحریر فرمایا کہ کسی شخصیت کے عقیدہ ومسلک کو سمجھنے کے لیے اس کی تصانیف وتحریرات پر نظر ڈالو اور اُس کے شاگردوں کو دیکھ کر فیصلہ کرو۔

اَب اِس نوع کے چند اختلافی مسائل عرض کیے جاتے ہیں جن میں سلفیوں، حنفیوں نے باہم اختلاف کیا ہے اور حضرت شیخ سے ان کے متعلّق سوال کیا گیا تو حضرت نے کیا جواب تحریر فرمایا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے کے متعلق حضرت شیخؒ کی رائے

فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے کے متعلق علماء کا اختلاف معروف

ومشہور ہے، سلفی اور حضراتِ غیر مقلدین فرض نمازوں کے بعد دعا نہیں کرتے؛ بلکہ اس کو بدعت کہتے ہیں، علامہ ابنِ تیمیہ اور ابنِ قیمؒ نے بھی اس کو بدعت لکھا ہے، جب کہ فقہاءِ احناف اور علماءِ دیو بند اس کو مسنون ومندوب کہتے ہیں، اور اس کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔

اس کے متعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ سے سوال کیا گیا، حضرت شیخؒ نے اس کا تحقیقی جواب لکھا، علّامہ ابنِ تیمیہ وابنِ قیمؒ کی وہ عبارتیں بھی نقل فرمائیں جن میں علّامہ نے فرض نمازوں کے بعد دعا کو بدعت لکھا ہے۔

أما دعاء الإمام والمأمومين جميعاً عقيب الصلاة فهو بدعة، لم يكن في عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم. (فتاوی ابن تیمیة: ۲۲/۴۷)

وقال الحافظ ابن القيم تلميذ ابن تيمية في الهدى (۱/۶۷)**: أما الدعاء بعد السلام من الصلاة مستقبل القبلة أو المأمومين، فلم يكن ذلک من هديه** صلى الله عليه وآله وسلم. (مختصراً)

لیکن حضرت شیخؒ نے اِن عبارتوں کے نقل کرنے کے بعد متعدد احادیث حافظ ابنِ حجرؒ کے حوالے سے نقل فرمائی ہیں، جن سے نمازوں کے بعد دعا کا ثبوت ہوتا ہے، اور پھر ابنِ تیمیہ اور ابن قیمؒ کے کلام پر نقد فرمایا ہے، اخیر میں حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں:

”جب یہ ثابت ہو گیا کہ صلواتِ مکتوبہ کے بعد دعا کرنا روایت سے ثابت ہے، اور دعا کا اندازِ مسنون یہ ہے کہ ہاتھ اُٹھا کر دعا کرے، چناں چہ بہت سی روایات میں رفعِ یدین عند الدعاء وارد ہوا ہے، اور بعض روایات میں مسح الوجہ بعد الدعاء بھی ابوداود وغیرہ میں وارد ہے، اِن تینوں کے ملانے سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ نمازوں کے بعد ہاتھ

اُٹھا کر دعا کرنے میں اور ہاتھ پھیرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور ابن السنیؒ کی ایک روایت میں تو رفعِ یدین بعد الصلاۃ وارد ہے۔"

جن لوگوں نے نمازوں کے بعد دعا کرنے کو بدعت کہہ دیا ہے اس کے متعلق حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں:

"اگر کوئی مداومت کو بدعت کہے تو شاید غلط نہ ہوگا، مگر یہ بدعت بھی اِسی قبیل سے ہوگی جیسے کہ تراویح بالجماعة بإمام واحد کے بارے میں حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا تھا: نعمت البدعة هذه.

فرق مسئلۂ تراویح ومسئلۂ دعا میں یہ ہے کہ تراویح اصلاً، حقیقتاً بھی نماز و جماعت دونوں کے اعتبار سے فعلِ نبی سے ثابت ہے، اور دعا بہ ہیئتِ کذائیہ استدلالی حیثیت سے ثابت ہے، واللہ اعلم۔

ہمارے اسلاف: قطب الارشاد حضرت گنگوہی وحکیم الامت حضرت اقدس تھانوی وفخر المحدثین حضرت اقدس سہارنپوری قدس اللہ اسرارھم نے جو کچھ عمل فرمایا ہے وہ بناءً علی التعامل ہے، اور امّت کا تعامل اِسی پر ہے۔ ولا تجتمع أمتي على الضلالة." (نوادر الفقہ/ ۴۷ تا ۴۹ مختصراً)

حضرت شیخؒ کی فکر ونظر اور عقیدہ ومسلک کو سمجھنے کے لیے حضرت اقدسؒ کی مذکورۂ بالا تحریر بھی کافی ہوسکتی ہے، جس میں سلفی مسلک اور ابنِ تیمیہ وابنِ قیمؒ کی تردید کرتے ہوئے دلائل کی روشنی میں حنفی مسلک کی تائید فرمائی ہے۔ نیز حضرت گنگوہی اور حضرت تھانویؒ کو اپنے اکابر واسلاف میں شمار کیا ہے۔

عورتیں نماز میں مَردوں کی طرح بیٹھیں یا تورّک کریں؟

یہ مسئلہ بھی بہت معروف ومشہور ہے، اہلِ حدیث وحضراتِ غیر مقلدین اِس بات پر مُصر ہیں کہ نماز میں قعدے کی حالت میں عورتوں کو مَردوں کی طرح بیٹھنا چاہیے۔ احناف عورتوں اور مَردوں کے بیٹھنے میں فرق کے قائل ہیں، یعنی عورت کے لیے بجائے افتراش کے تورّک کو افضل کہتے ہیں، لیکن دوسرے حضرات اِس پر سخت تنقید اور نکیر کرتے ہیں؛ حضرت شیخؒ سے اِس کے متعلّق سوال کیا گیا، آپؒ نے احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں محدثانہ انداز میں اس کا جواب تحریر فرمایا، چناں چہ تحریر فرماتے ہیں:

”رہ گیا یہ کہ عورت ومَرد میں احناف تفریق کے کیوں قائل ہوئے؟ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ عورت، عورۃ ہے؛ لہٰذا اس کے احوال میں ہر قسم کے تستّر کا لحاظ رکھا جائے گا، اور افتراش کے بہ نسبت تورّک اقرب الی الستر ہے، اور یہ قاعدہ کسی حنفی کا خانہ زاد نہیں ہے؛ بلکہ ذاتِ اقدس رُوحی فداہ ﷺ کے ارشادات وفرمودات سے ماخوذ ہے......“

اس کے بعد حنفی مسلک کی تائید میں حضرت شیخؒ نے مندرجۂ ذیل روایتیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) عن علي رضي الله عنه قال: إذا سجدت المرأة فلتحتفز ولتضم فخذيها. (مصنف ابن أبي شيبة: ۱/۲۷۰)

(۲) عن ابن عباس رضي الله عنه أنه سئل عن صلاة المرأة، قال: تجتمع وتحتفز. (مصنف ابن أبي شيبة: ۱/۲۷۰)

(۳) عن ابن عمر رضي الله عنه أنه سئل: كيف كان النساء

يصلّين على عهد رسول الله ﷺ؟ قال: كنّ يتربعن ثم أمرهنّ أن يحتفزْن. أي: تضممن من أعضائهنّ بأن يتوركْن.

(مسند الإمام أبي حنيفة بروايه الحصكفي، السعاية: ۲/۲۳۵)

یہ اجتماع اور فخذین کا ملانا تورّک کی صورت میں زیادہ ہوگا، بہ نسبت صورتِ افتراش کے۔ (نوادر الفقہ/۶۱، ۶۲، فتاویٰ شیخ الحدیث مولانا محمد یونسؒ)

اِس پوری تحریر اور زورِ بیان سے اندازہ لگانا چاہیے کہ حضرت شیخؒ نے سلفیوں اور غیر مقلدین کے خلاف حنفی مسلک کی کتنی قوت سے تائید فرمائی ہے۔

تنعیم اور مسجدِ عائشہؓ سے عمرہ کا احرام باندھنا مشروع ہے یا بدعت؟

اِسی نوع کے معروف مسائل میں سے جن میں سلفی اور غیر مقلّدین بہت شور مچاتے اور احناف پر اعتراض کرتے ہیں، ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ حاجی کا حج سے فراغت کے بعد مزید عمرہ کرنے کے لیے تنعیم (مسجدِ عائشہؓ) جا کر عمرہ کا احرام باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

حضراتِ احناف اس کو نہ صرف جائز؛ بلکہ افضل اور باعثِ اجر وثواب سمجھتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

سلفی اور حضراتِ غیر مقلّدین اِس پر تنقید کرتے اور سخت اعتراض کرتے ہیں، اور حضرت عائشہؓ کے عمل کو عذر پر محمول کرتے ہیں۔ اِسی مسلک کی ترجمانی کرنے والوں میں سے بعض لوگوں کو حدودِ حرم میں-حنفی مسلک کے خلاف تقریر کرتے ہوئے اور تمسخر کرتے ہوئے- یہاں تک کہتے ہوئے سنا گیا کہ یہ ۲/ریال کا عمرہ جائز نہیں کہ مکّہ سے مسجدِ عائشہ جا کر عمرہ کا احرام باندھ لیا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ سے اِس کے متعلّق سوال کیا گیا کہ:

اہلِ حدیث تنعیم کے عمرہ کو (یعنی مسجدِ عائشہ سے عمرہ کے احرام باندھنے کو) بدعت کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: حضرت عائشہؓ کا عمرہ تو مجبوری کا تھا؛ ورنہ کسی دوسرے سے مکہ سے تنعیم عمرہ کا احرام باندھنے کے لیے جانا ثابت نہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا:

''حضراتِ محدّثین: امام بخاری وامام ترمذیؒ وغیرہما نے مستقل عمرۂ تنعیم کا ترجمہ منعقد فرمایا ہے اور امام دارمیؒ نے (دارمی: ۲۳۷) باب المیقات في العمرۃ میں حضرت محرش کعبی رضی اللہ عنہ کی روایت عمرۂ جعرانہ والی اور حضرت عائشہؓ کی روایت عمرۂ تنعیم والی ذکر فرمائی ہے، یہ سب اِس بات کی مؤیّد ہیں کہ عمرۂ تنعیم میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور یہ خیال کرنا کہ یہ باہر سے آنے والوں کے لیے میقات ہے؛ بے دلیل ہے۔

اگر عمرۂ تنعیم بدعت ہوتا تو ائمۂ حدیث اِس کا باب کیوں منعقد کرتے؟ اور یہ کہنا کہ حضرت عائشہؓ نے عذر کی بنا پر کیا تھا؛ صحیح ہے، لیکن حضرت عائشہؓ تو بعد میں بھی جب حج کرتی تھیں، تو حج کے بعد مکہ سے باہر جاتی تھیں، اور احرام باندھ کر آکر عمرہ کرتی تھیں؛ چنانچہ موطاء میں حضرت عائشہؓ کی باندی مَرجانہ سے روایت ہے: كانت عائشة تعتمر بعد الحج من مكة في ذي الحجة، ثم تركت بعد ذلك فكانت تخرج قبل هلال المحرّم حتى تأتي الجحفة فتقيم بها حتى ترى الهلال فإذا رأت الهلال أهلّت بعمرة.

(موطأ، أوجز المسالک: ۳/ ۳۶۳)

حضرت عائشہؓ کو اگر عذر تھا تو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جب حج کیا تھا اُس وقت تھا، ہمیشہ نہیں تھا، بعد میں حضرت عائشہؓ کا مکّہ سے نکل کر عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ آ کر عمرہ کرنا جواز کی دلیل ہے۔ و کفی بهم قدوة.

حافظ ابنِ حجرؒ (فتح الباری میں) فرماتے ہیں: و بعد أن فعلته عائشة بأمره دلّ علی مشروعيته. (فتح الباري: ۳۵۵/۴)

(غیر مقلدین کو الزامی جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں)

حضرت عائشہؓ نے -آپ کے بقول- تنعیم سے عمرہ عذر کی وجہ سے کیا تھا گویا بلا عذر جائز نہیں، اس لیے کہ بدعت ہے، تو اگر بدعت ہوتا تو حضرت عائشہؓ بعد میں بلا عذر عمرۂ تنعیم کیوں کرتیں؟ (نوادر الفقہ/۹۸،۹۹)

حضرت شیخؒ کے اِسی جواب سے بھی بہ آسانی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ کیا آپ غیر مقلد تھے اور سلفی ذہن رکھتے تھے؟ یا پورے انشراح کے ساتھ حنفی مسلک کی وکالت اور تائید فرماتے تھے؟

ایک جانور کی قربانی سارے گھر والوں کی طرف سے کافی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

یہ مسئلہ بھی معروف و مشہور ہے کہ ایک جانور مثلاً: ایک بکری کی قربانی پورے گھر والوں کی طرف سے کافی ہو جائے گی یا نہیں؟

حضراتِ غیر مقلدین پوری قوت سے اِس بات کو کہتے ہیں کہ: گھر میں کتنے ہی افراد صاحبِ نصاب ہوں جن پر قربانی کرنا واجب ہو؛ لیکن ایک بکری کر لینا سب گھر والوں کی طرف سے کافی ہو جائے گا، رسول اللہ ﷺ نے تو ایک جانور میں پوری امّت کو

شریک فرمایا تھا۔

اِس سلسلے میں حضرت شیخؒ سے سوال کیا گیا، اس کے جواب میں جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا اس کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:

"جمہور کے یہاں ایک بکری ایک ہی آدمی کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے؛ بلکہ بندے کے علم میں کسی کا اختلاف نہیں، ہاں! ابل وبقر (اونٹ اور گائے) میں اختلاف ہے۔ ایک خاص بات قابلِ توجہ یہ ہے کہ اگر ایک جانور مطلقاً سارے اہلِ بیت کے لیے قربانی کی ادائیگی میں کافی ہوتا تو "فاشتركنا في البعير سبعة" وغیرہ صحابہ کا فرمانا بظاہر بے سود ہے، اس لیے کہ پھر تو ایک خاص عدد کی قید بے کار ہے۔"

(نوادر الفقہ/ ۷۸)

حضرت شیخؒ نے اپنے جواب میں اُن حدیثوں کو بھی نقل فرمایا ہے جس سے لوگوں کو غلط فہمی اور یہ شبہ ہوگا کہ ایک جانور کی قربانی پورے گھر والوں کی طرف سے کافی ہوسکتی ہے، اُس کے بعد غلط فہمی دور کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ:

اِس سے مراد تو ثواب میں شرکت ہے، نہ یہ کہ قربانی کا وجوب بھی اس سے ساقط ہوجائے گا۔

اور اِس سلسلے میں حضرت شیخؒ نے مندرجۂ ذیل شراحِ حدیث کا کلام نقل فرمایا ہے:

"ومحمل الحديث هو التشريك في الثواب، وهكذا هو محمل الحديث الذي أخرجه مسلم (۲/ ۱۵۶) عن عائشة رضي الله عنها: ...اللّٰهم تقبّل من محمد وآل محمد ومن أمة

محمد، ثم ضحى به.

قال الطيبي علیہ الرحمۃ: المراد المشاركة في الثواب مع الأمة لأن الغنم الواحد لا يكفي عن اثنين فصاعداً.

قال النووي: حمل جماعةٌ الحديثَ المذكور على الاشتراك في الثواب.

وقال النووي في شرح المهذّب: إن الشاة الواحدة لا تجزي إلا عن واحد، وهذا هو الذي يقوله أصحابنا... وأما نحن فنحمل الحديث على التشريك في الثواب، وقد حمله عليه جماعةٌ من أصحاب الشافعي كالشيخ إبراهيم المروزي وصاحب العدة والعلامة الطيبي وغيرهم، ولا دافع لهذا المعنى."

اِس مضمون کی بعض حدیثوں کے متعلق شبہ ہوتا ہے کہ ایک جانور کی قربانی پورے گھر والوں کے لیے کافی ہے، اس کے متعلق حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اِن سب سے مراد تشریک فی الثواب ہے، اور مقصد یہ ہے کہ اگر ایک آدمی اپنی قربانی کرے اور اپنے اہل وعیال کو شریک کرے تو قربانی تو ایک ہی کی طرف سے ہوگی، البتہ ثواب میں سارے شریک ہوجائیں گے، اِس صورت کا احناف بھی انکار نہیں کرتے۔'' (نوادر الفقہ / ۷۷)

حضرتؒ کے اِس جواب سے اچھی طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ سلفیت وغیر

مقلدیت کی طرف مائل تھے یا پورے انشراحِ قلبی کے ساتھ حنفیت کے اتباع اور اُسی کی حمایت میں دلائل ذکر فرمائے تھے۔

بھینس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

اِسی نوع کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ حضراتِ غیر مقلدین بھینس کی قربانی کا انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں اِس کا کوئی ذکر نہیں ہے، لہٰذا گائے کی قربانی تو جائز ہے؛ لیکن بھینس کی قربانی جائز نہیں۔

جب کہ علماءِ احناف؛ بلکہ جمہور علماء بھینس کی قربانی کو جائز سمجھتے ہیں، اِس مسئلے کے متعلق بھی حضرت شیخؒ نے جمہور علماء اور حنفی مسلک کے مطابق جو کچھ تحریر فرمایا وہ درجِ ذیل ہے:

> ''جاموس بقر ہی کی ایک نوع ہے، ہندی میں اُسے بھینس کہتے ہیں اور فارسی میں گاؤمیش کہتے ہیں اور عربی میں جاموس، علامہ ابوالولید بن رشد الحفیدؒ بدایۃ المجتهد (۱/ ۲۵۳) میں لکھتے ہیں: أجمع العلماء على جواز الضحايا من جميع بهيمة الأنعام؛ اور بھینس کا بہائمِ اَنعام سے ہونا اظہر من الشّمس ہے، تو قربانیٔ گاؤمیش (یعنی بھینس کی قربانی) کے جواز کے قائل صرف حنفیہ ہی نہیں ہیں؛ بلکہ حضراتِ شافعیہ بھی ہیں، بلکہ جمیع امّت کا یہی مذہب ہے، كما علم ذلك من كلام ابن رشد، وقال ابن المنذر فيما حكاه صاحب المغني (۲/ ۵۹۴): والجواميس صنفٌ من البقر بالإجماع. (نوادر الفقہ/ ۷۵)

مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دو ہاتھ سے؟

غیر مقلدین ایک ہاتھ سے مصافحہ پر اصرار کرتے ہیں، ایک صاحب نے حضرت

شیخؒ سے سوال کیا کہ ایک اہلِ حدیث کا دعویٰ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ شریعت کے اندر نہیں ہے، اگر ہے، تو بالکل صاف حدیث پیش کیجیے، جس میں یہ لفظ ہو کہ حضور ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا ہے۔

حضرت شیخؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا:

”اہلِ حدیث حضرات کا یہ کہنا کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کا ثبوت نہیں، یہ غلط ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری شریف (ص۹۲۶) میں :علّمني النبيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و كفّيْ بين كفّيْه التشهّدَ وارد ہے، حضور اقدس ﷺ کی طرف سے دونوں ہاتھ ہیں، تو ظاہر ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دونوں ہی ہاتھ ہوں گے، مگر اصلاً حضور اکرم ﷺ کے طرزِ عمل کو بتلانا ہے، اس لیے ”كفّي بين كفّيه“ ذکر کیا، اور اگر بالفرض مان لیں تو فعلِ نبی حجۃ الیدین ہے، اور فعلِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حجۃ الید ہے اور جب فعلِ نبی اور فعلِ صحابی میں تعارض ہو تو فعلِ نبی مقدم ہوگا۔“

حضرت امام بخاریؒ نے ”باب الأخذ باليدين“ کا ترجمہ منعقد فرما کر مصافحہ کا مسنون طریقہ بیان کیا ہے اور آگے لکھا ہے: وصافح حمادُ بن زيدٍ ابنَ المبارك بيديه (یعنی حماد بن زید نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا) اور پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیثِ بالا موصولاً ذکر فرمائی ہے، معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ مصافحہ کا مسنون طریقہ بتلانا چاہتے ہیں، صرف ”اخذ بالید“ کا احتمال ذکر کرنا مقصود نہیں ہے، اور اہلِ حدیث کا ایک ہاتھ کا دعویٰ بھی تو کسی صریح حدیث سے ثابت ہونے

کی ضرورت ہے، اوّلاً تو اُن کے ذمّے یہ ضروری ہے کہ "بِیَدَیْن" (یعنی دونوں ہاتھوں سے مصافحہ) ممنوع ہے ثابت کریں اور بغیر اِن دونوں امروں کے اُن کا یہ مدّعا ثابت نہ ہوگا؛ کیوں کہ بحث یہ ہے کہ "بِیَدٍ" ہے یا "بِیَدَیْن" (یعنی مصافحہ ایک ہاتھ سے ہے یا دونوں ہاتھ سے) حنفیہ فرماتے ہیں کہ "بِیَدَیْن" (یعنی دونوں ہاتھوں سے) افضل ہے، اور اہلِ حدیث کا یہ اصرار ہے کہ "بیدٍ واحدۃ" ہی ہے، اور یہ دونوں امور بالا کے بغیر کیسے ثابت ہوگا۔ ویسے نفسِ مصافحہ "بیدٍ واحدۃٍ" اور "بِیَدَیْن" (یعنی ایک ہاتھ سے اور دونوں ہاتھ سے) دونوں طرح مباح ہے، لإطلاق الأحادیث، واللّٰہ اعلم۔ (نوادر الفقہ/ ۱۰۴)

مذکورہ سوال وجواب میں خود ہی غور کرلینا چاہیے کہ حضرت شیخؒ سلفیوں اور غیر مقلدوں کی حمایت کررہے ہیں یا پُر زور انداز میں اُن کی تردید فرما کر احناف کی پوری طرح حمایت فرمارہے ہیں۔

حضرت شیخؒ کا تصوف سے گہرا ربط:

اجتماعی ذکر اور ذکر بارہ تسبیحات بدعت ہے یا نہیں؟

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب محدّث ہونے کے ساتھ صوفی اور شیخِ طریقت بھی تھے، گروہِ اولیاء وصوفیاء سے بڑی عقیدت ومحبت رکھتے تھے، اور اپنے اکابر ومشائخ: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت شاہ وصی اللہ، حضرت مولانا اسعد اللہ، شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ سے غایت درجہ محبت وعظمت کا تعلق رکھتے اور اُن سے مربوط تھے، اور اُن کو اپنے اسلاف واکابر میں شمار کرتے تھے، اس کا اندازہ ایک مکتوب کے چند جملوں سے لگائیے، تحریر فرماتے ہیں:

ہمارے اسلاف: قطب الارشاد حضرت گنگوہی وحکیم الامت حضرت اقدس تھانوی وفخر المحدثین حضرت اقدس سہارنپوری قدس اللہ اسرارہم نے جو کچھ عمل فرمایا ہے وہ بناءً علی التعامل ہے، اور امّت کا تعامل اِسی پر ہے۔ و لا تجتمع أمتي على الضلالة. (نوادر الفقہ/ ۴۷ تا ۴۹، مختصراً)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب اپنے اکابر ومشائخ کے تجویز کردہ اذکار واوراد اور دیگر معمولات کے بھی بڑے پابند تھے، خود بھی ذکرِ جہری ضرب کے ساتھ کرتے تھے، اور آپ کے حجرہ وخانقاہ میں ذکر کی مجلس روزانہ بعد فجر اور رمضان المبارک میں بعد ظہر لگتی تھی، جس میں اجتماعی طور پر ذکرِ جہری اہتمام کے ساتھ ہوتا تھا، آپ اپنے مریدین ومتوسلین کو بھی ذکر بارہ تسبیحات کی تلقین فرماتے تھے۔

بعض اصحابِ اہلِ علم اور آپ کے بعض تلامذہ نے حضرت سے سوال کیا کہ اِس نوعیت سے اجتماعی ذکر، نیز اِس طرح ذکرِ جہری اور مفرد اسمِ ذاتِ پاک یعنی ''اللہ، اللہ'' کا ذکر تو حدیثوں سے ثابت نہیں، یہ بارہ تسبیحات کا ذکر کیوں کرایا جاتا ہے؟ بہت سے سلفی اور غیر مقلّدین حضرات اس کو ماثور نہ ہونے کی وجہ سے بدعت کہتے ہیں، شیخ الاسلام علّامہ ابنِ تیمیہؒ نے تفصیلی دلائل کے ساتھ مفرد ذکر کو بدعت لکھا ہے، جیسا کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے نقل فرمایا ہے: **فإنه (أي العلامة ابن تيمية) قد أطنب إطنابا بليغا في إبطال مشروعية هذا الذكر.** (فتح الملهم: كتاب الإيمان: ۲/ ۱۷۹، باب: ۶۷)

اِس سلسلے میں احقر راقم الحروف نے بھی حضرت اقدسؒ کی خدمت میں اپنے کچھ شبہات اور سوالات پیش کیے تھے، حضرتِ والا نے اس کا جو جواب تحریر فرمایا ہے، وہ بڑی حد تک اطمینان بخش ہے، جس سے پوری حقیقت واضح ہوجاتی ہے، اس کے بعد حضرت اقدس حکیم الامت تھانویؒ کے ایک مختصر سے ملفوظ سے سارے ہی اشکالات ختم ہوجاتے ہیں اور پوری تسلی ہوجاتی ہے، حضرت تھانویؒ کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ: اِس نوع کے اذکار واوراد، بارہ تسبیحات وغیرہ وقتی وعارضی بمنزلۂ علاج کے ہیں، ایک مدت تک کرنے اور قلب میں یکسوئی کی کیفیت پیدا ہوجانے اور ذکر راسخ ہوجانے کے بعد سب کو ترک کر کے صرف ماثور ذکر: تہلیل یعنی لا إله إلا الله پر اکتفاء کی جائے، واللہ اعلم۔

اَب آگے حضرت شیخ کا پورا مکتوب ملاحظہ ہو جس سے حضرت کے دینی ذوق اور مسلک ومشرب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اور اِس کا بھی کہ اس طرح کے علوم ومعارف میں بھی آپ شیخ الاسلام علّامہ ابنِ تیمیہ کے نہیں؛ بلکہ اپنے اکابر ومشائخ کے نقشِ قدم پر تھے، اور اخیر عمر تک، اِسی پر قائم رہے۔

اذکار واشغال کے متعلق حضرت شیخ کا اہم مکتوب:

حضراتِ صوفیاء کے تجویز کردہ اذکار واشغال کے بدعت ہونے کا شبہ اور اس کا جواب

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضراتِ صوفیاء نے ذکر کی جو صورتیں اور تعداد وغیرہ ذکر کی ہیں، یہ امراضِ قلبی کے اِزالہ اور تعلق مع اللہ پیدا کرنے کے ذرائع ہیں اور صدیوں کے مجرّبات ہیں، اگر کسی کو اِس کے بغیر کسی اور صورت سے یا

محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ حالت حاصل ہو جائے، تو اُسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، اصل تو اعمالِ مسنونہ ہیں، جیسے: مریضِ جسمانی کا علاج دواؤں سے کیا جاتا ہے اور مُضرّ ات سے بچایا جاتا ہے، لیکن اصل چیز جس سے بدن کو قوت حاصل ہوگی وہ مقویات اور اَغذیہ ہیں، اور حضراتِ صوفیہ نے ذکر کی جو خاص صورتیں تجویز کی ہیں، وہ صرف اللہ تعالیٰ کا دھیان دِل میں جمانے کے لیے ہے؛ پہلے "لا إله إلا الله" اور پھر "إلا الله" اور پھر "الله، الله" کا ذکر کراتے ہیں۔ اول تو مصرّح ہے: أفضل الذکر لا إله إلا الله، اور ثالث بحذف حرف الندا یا بحذف المبتدا ہے، اور ثانی صرف ایسے ہے جیسے بچے کو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھاتے ہیں، تو پہلے بے-سین زیر: بِسۡ، میم-لام زیر: مِل، لام الف زبر: لَا، ہا زیر: ہِ؛ رٹاتے ہیں، پھر بسم اللہ کہلواتے ہیں۔ اصل میں مرکب میں ذہن پر بوجھ کم پڑتا ہے، اس لیے بسیط سے مرکب کی طرف چلتے ہیں، اور ذکر میں بظاہر مرکب سے بسیط کی طرف چلتے ہیں، پہلے نفی، اِثبات کراتے ہیں؛ تا کہ توحید کا مفہوم دِل میں اُترے، پھر ہلکا کر کے صرف اِثبات کو رکھتے ہیں، اور صرف "اللہ، اللہ" کا ذکرِ بسیط کراتے ہیں کہ ذاتِ حق بسیط ہے، تو مفہومِ توحید کے استحضار کے ساتھ-جس کی طرف پورے کلمے سے دِل کو متوجہ کیا گیا تھا-ذاتِ بسیط کے دھیان کو اسمِ بسیط سے دِل میں جماتے ہیں، خدا کرے یہ تمہارے لیے باعثِ سکون ثابت ہو، اِس وقت ذہن حاضر نہیں ہے، کیف ما اتفق جو آ گیا لکھ دیا۔

یہ تم نے صحیح لکھا ہے کہ منقول میں جو بات ہے وہ کسی چیز میں نہیں، رسولِ اکرم ﷺ محبوب ہیں، آپ کی ہر چیز محبوب کی ادا ہے، اور اداءِ محبوب؛ محبوب ہوتی ہے، لیکن اِس اَدا کو پوری طرح ادا کرنے کی ضرورت ہے، اور وہ بغیر تزکیۂ قلب کے ناممکن ہے، اس لیے اس کا تزکیہ کرنا اور اس کے ذرائع اختیار کرنا بھی ضروری ہوگا، اصل تو اعمالِ مسنونہ کو سمجھو اور کرو بھی، اور اُنہیں ہی کرنا ہے، لیکن تھوڑی دیر کے لیے بطور علاج کے حضراتِ صوفیہ کا مجربہ نسخہ بھی استعمال کرو، تاکہ طاقت کے ساتھ اعمالِ مسنونہ کی ادائیگی ہو۔

اجتماعی ذکر میں صورتِ اجتماعیہ مطلوب نہیں ہے؛ بلکہ اجتماع کی وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رغبت وشوق کا پیدا ہونا مقصود ہے، اور مزید یہ کہ بعض مشائخ ذکر کے وقت قلب مُرید کی طرف متوجہ ہوتے ہیں؛ تاکہ طبیعت لگ جاوے، اور مُرشد کی معیت میں سب کا ایک ساتھ ذکر کرنا مُرشد کی توجہ کی تحصیل میں مُعین ہے، جیسے: مکتب کے حافظ سارے بچوں کو ایک ساتھ پڑھاتے ہیں اور سب پر نظر رکھتے ہیں؛ لیکن یہ چیزیں مقصود نہیں ہیں، اسی لیے اجتماع کے فوت ہونے کی صورت میں بھی سالکین تنہائی میں اپنے معمولات پورے کرتے ہیں۔

أخرج ابن ماجة (۲۱) عن عبد الله بن عمرو رضی اللہ عنہ قال: خرج رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات یومٍ من بعض حُجره، فدخل المسجدَ فإذا هو بحلقتين، إحداهما: يقرئون القرآن ويدعون،

والأخرى يتعلمون ويعلِّمون، فقال النبي صلى الله عليه وآله وسلم: كلٌّ على خيرٍ. وفي إسناده الإفريقيُّ، وهو ضعيف.

وأخرج مسلم وغيره عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال: ما اجتمع قومٌ في بيتٍ من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم إلا نزلت عليهم السكينة، وغشيتْهم الرحمة، وحفّتْهم الملائكة، وذكرهم فيمن عنده.

یہ حدیثیں اجتماعی ذکر کی فی الجملہ مؤید ہیں، حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی نکیر، ممکن ہے کسی خاص امر کی بنا پر ہو، مثلاً: وہ لوگ اس کو ضروری سمجھتے ہوں، واللہ اعلم۔

حدیث کی کتابوں کا مطالعہ اور عمل کا جذبہ بے حد مبارک ہے۔ اَللّٰھم آتنا منہ حظّا وافراً وّ نصیباً تامًّا.

تمہارے خواب مبارک ہیں، پانی میں تیرنا اور پار ہو جانا طالب کی ترقی اور کامیابی پر دلالت کرتا ہے۔ اُوپر اُڑنا بھی عروج وترقی ہے۔ عصا سنت ہے، خواب میں لاٹھی ملنا مبارک ہے۔ میکائیل علیہ السلام کی لاٹھی ہونا برکت فی الرزق کی طرف اشارہ ہے۔ چھوٹے بچے کا خواب میں "إني عبد الله" کہنا بھی اچھا ہے، میرا گمان ہے کہ وہ تمہارا نفس ہے، مبارک ہو! اُس کا شیخ کی گود میں کھیلنا؛ یہ شیخ کی نگرانی وتربیت ہے، مراد تمہارے شیخ حضرت مولانا سید صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کو بوسہ لینا آپ کی رضا ومحبت کی علامت ہے۔

(نوادر الفقہ: ١٨٢، ١٨٣)

لفظ اللہ اللہ ذکر مفرد کے متعلق حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ارشاد:

حکیم الامت حضرت تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

ابن تیمیہؒ نے اللہ اللہ ذکر کرنے کو بنا بر عدم نقل بدعت کہہ دیا ہے

لیکن میں اگر اس وقت ہوتا یہ وہ اس زمانہ میں ہوتے تو میں ان سے عرض کرتا اور ان شاء اللہ وہ تسلیم کرتے کہ ایک شخص قرآن پاک حفظ کرتا اور ایک ہی لفظ کا بار بار اعادہ کرتا ہے مثلاً: "إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ" کو اس طرح یاد کرتا ہے "اِذَا السَّمَاءُ انْ" "اِذَا السَّمَاءُ انْ" کو سو مرتبہ کہا اور "فَطَرَتْ فَطَرَتْ" کو سو مرتبہ کہا، اور پھر ملا کر کہا تو میں ابن تیمیہؒ سے پوچھتا کہ یہ جائز ہے یا محض اس لئے کہ منقول نہیں، ناجائز ہے؟ ابن تیمیہؒ کے پاس سوائے اس جواز کے کوئی جواب نہیں ہوتا، کیونکہ حقیقت اس کی صرف یہ ہے کہ مذکور کو حافظہ میں راسخ کرتا ہے، اب جس ہیئت سے ہو اور اگر وہ ہیئت منقول بھی نہ ہو، پس اسی طرح ذاکر کا مقصود قلب میں توجہ الی اللہ کو راسخ کرنا ہے، پس مقصود کو قلب میں راسخ کرنے کو کون منع کرسکتا ہے۔ (الاضافات الیومیہ ص ۱۳۴ ج ۲)

شارح مسلم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم شرح مسلم میں حدیث: **لاتقوم الساعة على أحد يقول الله الله.** (مسلم شریف عن أنس، حدیث: ۳۷۴، باب ذهاب الإيمان آخر الزمان)

کے تحت مفرد لفظ "اللہ اللہ" کے ذکر کو ثابت فرمایا ہے، اور علامہ ابن تیمیہؒ کے نقطۂ نظر کی اسی حدیث پاک سے تردید فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

قلت: وفي تكرير الإسم إشارة إلى مشروعية ذكر الله عز و جل باسمه المفرد، والرد على من زعم نفي كونه مشروعا و محمودا، كالحافظ ابن تيمية

فی فتاواہ فإنہ قد أطنب إطنابا بليغا فی إبطال مشروعية هذا الذكر، و كأنه رحمه الله تعالىٰ قد ذهل عن حديث الباب، فسبحان من لا ينام و لا ينسىٰ.

(فتح الملهم كتاب الإيمان ص: ۱۷۹، ج: ۲)

ایک ضروری تنبیہ:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب گروہِ اولیاء وصوفیاء سے محبت وعظمت کا تعلق ضرور رکھتے تھے اور خود بھی اِس گروہ میں شامل تھے؛ لیکن اِس طبقے کی بھی اگر خلافِ شرع اور خلافِ حدیث کوئی بات آپ تک پہنچتی، آپ اس کو ہرگز تسلیم نہ کرتے، بلکہ اُس پر سخت نکیر فرماتے تھے، چناں چہ ابنِ عربی، مولانا رُومی وغیرہ کی بعض باتیں جو آپ تک پہنچیں اور آپ کی تحقیق کے مطابق وہ غلط تھیں، اُن پر سخت سے سخت تنقید فرمایا کرتے تھے، البتہ اِس سلسلے میں احقر کو حضرت کی کوئی تحریر نہیں ملی جس کو پیش کیا جا سکے۔

بعض کبارِ صوفیا مثلاً: پیرانِ پیر شیخ عبد القادر جیلانیؒ، حضرت اقدس اُن کے بہت معتقد تھے، اُنھوں نے اپنی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں حضرت امام ابوحنیفہؒ پر سخت نقد کیا، اور اُن کو فرقۂ ضالہ مُرجئہ تک میں شمار کیا، لیکن حضرت شیخؒ نے اِس کو قبول نہیں کیا، اور اپنے ایک تفصیلی جواب میں اس پر سخت نقد کیا، حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں:

> امام صاحب کے اَتباع اور اُن کے پیروکاروں کو دیکھ لیجیے، تو وہ بھی اہل السنۃ والجماعۃ ہیں، چناں چہ ساری دنیا کے احناف بھی اہل السنۃ والجماعۃ ہیں، اور اُن کی تالیفات میں بھی یہی ہے، اور ظاہر ہے کہ اِن موجودہ لوگوں نے اپنے اِن عقائد وخیالات کو اپنے اکابر ومقتدایان سے

ہی لیا ہوگا، ثمّ وثمّ؛ تا آں کہ امام صاحب سے سلسلہ جا ملا، اور تواترِ طبقہ سے امام اعظم (ابو حنیفہؒ) کا فرقۂ اہل السنۃ والجماعۃ سے ہونا واضح ہو جاتا ہے، کسی شخص کا امام صاحب یا اُن کے اَتباع کو فرقِ ضالہ میں لکھ دینا خود ایک دعوائے بے بنیاد اور بے حقیقت کلام بن جاتا ہے، خواہ کوئی بھی ہو، اس لیے کہ غلطی سے تو حضراتِ انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم کے علاوہ اور کوئی بھی معصوم نہیں ہے، لہٰذا غلطی کا امکان باقی ہے؛ بلکہ غلطیاں واقع ہوئی ہیں اور بڑوں بڑوں سے بھی۔

''اس کے بعد سمجھیے کہ ہم نے پیرانِ پیر کو بزرگ اور شیخ جانا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُن سے غلطی نہیں ہو سکتی، لہٰذا اِس امر میں ہم اُن کے متبع نہیں ہیں، لیکن اِس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ پیرانِ پیر کا دامن ہی ہاتھ سے چھوٹ جائے، ایک آدھ بات میں اختلاف نہ اعتقاد ہی میں مخل ہے اور نہ ہی اتباع میں، یہ تو صرف انبیاء کی شان ہے کہ اُن کی ہر بات میں اطاعت کی جائے اور ہر امر پر اعتقاد کیا جائے۔''

(نوادر الحدیث: ۵۸۵و۵۸۹)

حضرتؒ کے افاداتِ درسِ بخاری میں ہے:

''غنیۃ الطالبین'' شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی تألیف ہے، **بعض** متأخرین نے اُن کی تالیف ہونے کا انکار فرمایا ہے؛ لیکن یہ انکار بے حقیقت اور غلط ہے، شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ اور شیخ الاسلام ابنِ قیم، حافظ ابنِ کثیر، حافظ ذہبی اور حافظ ابنِ حجر رحمہم اللہ نے ''غنیۃ الطالبین'' کو شیخِ

موصوف کی تالیف میں شمار فرمایا ہے۔ ہاں! اِس میں بعض جگہ احناف پر رد بھی موجود ہے؛ لیکن اس سے مراد احناف کا مخصوص طبقہ ہے، سارے احناف مراد نہیں ، اور بالفرض! سارے ہی احناف مراد ہوں، تو ہم شیخِ موصوف کو ولیٔ کامل اور قطبِ عالَم مانتے ہیں، لیکن معصوم نہیں مانتے عصمت تو خصیصۂ انبیاء علیہم السلام ہے۔ (کتاب التوحید: افاداتِ درسِ بخاری/ ۵۵)

حضرت اقدسؒ کے مندرجۂ بالا مکتوب وارشاد سے چند باتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں، وہ یہ کہ آپ:

(۱) احناف اور اُن کے مقلّدین ومتبعین کو اہل السنۃ والجماعۃ میں شمار فرماتے تھے۔

(۲) اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کو تواترِ طبقہ کے ذریعہ حق پر ہونا اور اہل السنۃ والجماعۃ میں ہونا سمجھتے تھے۔

(۳) اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی شان میں گمراہی کی نسبت کو آپ درست نہیں سمجھتے تھے۔ اور اِس سلسلے میں سید الطائفہ سیدنا عبد القادر جیلانی نے بھی اگر امام صاحب کی شان میں نامناسب بات لکھ دی، تو آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا، بلکہ اُس کی تردید اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تائید فرمائی۔

(۴) حضرت کے اِس مکتوب سے صوفیاء ومشائخ کی اتباع کے حدود وقیود بھی معلوم ہوگئے کہ: رسولِ پاک ﷺ کی ذاتِ اقدس کے سوا تمام بزرگوں سے بھی غلطیاں ہوسکتی ہیں، اس لیے آنکھیں بند کرکے ہر ایک کا اتباع نہیں کیا جاسکتا؛ اصل چیز کتاب وسنت وشریعت ہے، اور یہی معیارِ اتباع ہے۔

''فضائلِ اعمال'' کتاب پر احادیثِ ضعیفہ ہونے کا اعتراض اور اس کا جواب

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی کتاب ''فضائلِ اعمال'' معروف و مشہور ہے، بہت سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ اِس کتاب میں ذکر کردہ حدیثیں ضعیف ہیں متعدد حلقوں کی طرف سے، خصوصاً سلفیوں اور غیر مقلدین کی طرف سے یہ آواز شدت کے ساتھ اُٹھائی جاتی ہے اور یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب تو احادیثِ ضعیفہ کا مجموعہ ہے، اس لیے نا قابلِ اعتبار ہے، چناں چہ'' فضائلِ اعمال'' نامی کتاب کے خلاف سلفیوں کی طرف سے بعض مقالات اور کتابیں بھی لکھی گئیں، لوگوں کے اِس پروپیگنڈے سے متأثر ہو کر بہت سے اپنے لوگ بھی شکوک وشبہات میں مبتلا ہو گئے، حالاں کہ واقعہ ایسا نہیں ہے، فضائلِ اعمال کی اکثر حدیثیں وہ ہیں جو صحاحِ ستہ، الترغیب والترھیب، بیہقی اور مشکوٰۃ المصابیح سے ماخوذ ہیں، ہر جگہ حدیث کے ساتھ کتاب کا حوالہ بھی درج ہے، خوبی کی بات یہ ہے کہ اِن احادیث کی تشریح اور ان سے متعلقہ جو فوائد بیان کیے گئے ہیں، وہ بھی اکثر احادیث کے حوالے سے اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں ہیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اپنے وقت کے بڑے درجے کے محدث تھے، انہوں نے جو کچھ لکھا احادیثِ مبارکہ کے حوالے سے پوری تحقیق کے بعد لکھا ہے، ایسا بہت ممکن ہے کہ ایک حدیثِ پاک ایک محدّث کی نگاہ میں ضعیف اور نا قابلِ اعتبار ہو، اور دوسرے محدث و محقق کی تحقیق کے مطابق صحیح اور قابلِ اعتبار ہو، اِس میں اشکال کی کون سی بات ہے؟ پھر چند احادیث کی بنا پر یا کتاب میں مندرج بعض مضامین کی وجہ سے پوری کتاب کو تو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کے نزدیک اِس کتاب کی بڑی اہمیت

تھی، آپ کی مجلس میں اس کی تعلیم ہوتی تھی، رمضان المبارک میں تو بعد عصر خاص طور پر اِسی کتاب کے پڑھے جانے کا معمول تھا، بعض اہلِ علم کی طرف سے آپ کے سامنے بھی یہ سوال پیش کیا گیا کہ اِس کتاب کی بعض حدیثیں ضعیف ہیں، فضائلِ ذکر کی بعض حدیثوں سے متعلق خاص طور پر یہ سوال کیا گیا، آپ نے اس کا تحقیقی جواب لکھا، اور اصولی طور پر آپ نے یہ بات تحریر فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ:

یہ کتاب اور اس میں مندرجہ حدیثیں فضائلِ اعمال سے تعلق رکھتی ہیں، اور فضائلِ اعمال میں احادیثِ ضعیفہ بھی معتبر ہوتی ہیں، فضائلِ اعمال میں احادیثِ ضعیفہ کے معتبر ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے، حضرت امام نوویؒ نے اِس پر اجماع نقل کیا ہے، بلکہ احکام میں بھی احادیثِ ضعیفہ کا اعتبار کیا جاتا ہے جب کہ شدید الضعف نہ ہوں، البتہ موضوع احادیث کا کہیں بھی اعتبار نہیں کیا جاتا، یہ بات آپؒ نے مختلف موقعوں میں تحریر فرمائی ہے۔

اِس سلسلے میں حضرت شیخؒ نے محدثین کی جو عبارتیں اور اپنا فیصلہ تحریر فرمایا ہے وہ درجِ ذیل ہے، تحریر فرماتے ہیں:

> ’’حدیثِ ضعیف فضائلِ اعمال میں قابلِ عمل ہے، جیسا کہ محدثین: عبد الرحمٰن بن مہدی، احمد بن حنبل، ابنِ مَعین، ابن مبارک، سفیان ثوری رحمہم اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ حدیثِ ضعیف فضائلِ اعمال میں قابلِ عمل ہے؛ بلکہ امام نوویؒ نے شرح المھذب (۱۲۲/۳) وغیرہ اپنی تصانیف میں فضائل میں حدیثِ ضعیف کے مقبول ہونے پر اجماع نقل فرمایا ہے۔

(۱) لكن الضعيف يُعمَل في فضائل الأعمال باتفاق العلماء.(شرح المهذب:۳/۱۲۲)

(۲) امام نوویؒ اپنی کتاب ”التبيان في آداب حَمَلة القرآن“ میں ص/۸ پر فرماتے ہیں:

إعلم أن العلماء من أهل الحديث وغيرهم جوّزوا العمل بالضعيف في فضائل الأعمال. (التبيان/۸)

(۳)وقال النووي في الأذكار(ص:۵):قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم: يجوز ويستحبّ العملُ في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعا.(الأذكار للنووي:۵)

(۴) وقال السيوطي في ”طلوع الثريّا“(۲/ ۱۹۱): الحديث الضعيف يتسامح به في فضائل الأعمال.

(۵)وقال في الدرج المنيفة(ص:۱۰):الحديث الضعيف يُعمَل به في الفضائل والمناقب.

(۶)وقال علي القاري في المرقاة(۲/ ۲۶): الحديث الضعيف يُعمَل به في فضائل الأعمال.

(۷)وقال في موضعٍ(۲/۱۱۴):أجمعوا على جواز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال.

(۸)وقال في موضعٍ آخر(۲/ ۱۷۲): يُعمَل بالحديث

الضعيف في فضائل الأعمال باتفاق العلماء.

(۹) وقال السيوطي في تحذير الخواص (ص:۷۴): قد أطبق علماء الحديث فجزموا بأنه لا تحل رواية الموضوع في أي معنى إلا مقرونا ببيان وضعه، بخلاف الضعيف، فإنه تجوز روايتُه في غير العقائد والأحكام.

(۱۰) وحكى السخاوي في شرح الألفية (ص:۱۲۰) نحو ذلك عن عبد الرحمٰن بن مهدي وأحمد بن حنبل وابن معين وابن المبارك. (نوادر الحدیث: ۱۶۴، نوادر الفقہ: ۱۶۲)

محقق ابن الھمام نے فتح القدیر (۲۴۶/۱) میں یہی لکھا ہے۔

فقہاء ومحدثین کی مذکورۂ بالا تصریحات کی روشنی میں حضرت شیخؒ کا فیصلہ یہی تھا جو اُوپر مذکور ہوا کہ فضائل میں احادیثِ ضعیفہ کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے، اس لیے کسی کی تحقیق کے مطابق ''فضائلِ اعمال'' نامی کتاب میں بعض مقامات پر احادیثِ ضعیفہ بھی درج ہوگئی ہوں (گو دوسرے محققین کے نزدیک وہ بھی صحیح یا حسن ہوں) تب بھی کوئی اشکال کی بات نہیں؛ کیوں کہ فضائل میں احادیثِ ضعیفہ بھی معتبر ہوتی ہیں۔ یہ حضرت شیخؒ کی تحقیق ہے۔

یومِ عاشوراء میں گھر میں کھانے میں فراخی اور وسعت کرنا:

یومِ عاشوراء یعنی دسویں محرم کو روزہ رکھنا تو مسنون عمل ہے، کیوں کہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے، لیکن اُس دِن گھروں میں اچھا کھانا پکانے کا تذکرہ بعض ضعیف روایتوں میں آیا ہے، حضراتِ غیر مقلدین اور سلفی حضرات اس کا انکار کرتے ہیں اور ایسا کرنے والوں پر سخت نکیر کرتے، اور اِس عمل کو بدعت کہتے ہیں، جب کہ علماءِ احناف اور اکابرِ دیوبند

اِس کے قائل ہیں، اِس کے متعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ سے سوال کیا گیا، تو آپؒ نے اِس کا بہت تحقیقی اور تفصیلی جواب تحریر فرمایا۔

حضرت شیخؒ نے اِس سلسلے میں علامہ ابن تیمیہ اور ابنِ جوزیؒ کا کلام بھی نقل فرمایا ہے، جس میں علامہ ابنِ تیمیہؒ نے اِس حدیث کو بالکل موضوع قرار دیا ہے، لیکن حضرت شیخؒ نے محدثانہ کلام کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ: یہ حدیث پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعدد طرق سے مروی ہے، یہ حدیث موضوع نہیں؛ بلکہ ضعیف ہے، اور تعددِ طُرق کی بنا پر اس کا ضعف بھی ختم ہوجاتا ہے، اِس سلسلے میں حضرت شیخؒ نے امام بیہقی، علامہ سخاوی، علامہ سیوطی، علامہ مُناوی، قسطلانی وغیرھم رحمھم اللہ کی عبارتیں ذکر فرمائی ہیں، اور اخیر میں تحریر فرمایا ہے:

> ''جب اساطینِ امت اِس کو موضوع نہیں قرار دیتے ہیں، تو پھر وضع کا حکم مشکل ہے، اور ابنِ تیمیہؒ کا یہ دعویٰ کہ: ''متعصبینِ حسین کی مَن گھڑت ہے''؛ بے بنیاد ہے، بلا دلیل معتبر نہیں، جب کہ حدیث طرقِ متعددہ سے مروی ہے، پھر اُن کا دعویٰ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ (نوادر الحدیث/ ۵۱۷)

پندرہویں شعبان یعنی شبِ براءت کی فضیلت حدیثوں سے ثابت ہے یا نہیں؟

بہت سے سلفی اور غیر مقلدین ناواقفیت کی بنا پر شب براءت کی فضیلت ہی کا انکار کرتے ہیں، جبکہ حضراتِ فقہاء و محدثین اور علماءِ احناف و اکابر علماءِ دیوبند اس کی فضیلت واہمیت کے قائل ہیں، اِس سلسلے میں حضرت اقدسؒ سے سوال کیا گیا تھا، حضرتؒ نے بہت تفصیلی جواب تحریر فرمایا، اور شبِ براءت کے فضائل سے متعلق بیس احادیث نقل فرمائی ہیں، اور علامہ مُناوی اور شیخ الاسلام علامہ ابنِ تیمیہ کا یہ کلام نقل فرمایا ہے:

قال ابن تيمية: ليلة نصف شعبان روي في فضلها من الأخبار ما يقتضي أنها مفضلة و من السلف مَن خصّها بالصلاة فيها. (فيض القدير: ۲/ ۳۲)

اخیر میں حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ اِن احادیث کو اگر الگ الگ دیکھا جائے تو کلام کرنا ٹھیک ہے؛ لیکن اِن میں بہت سی روایات ایسی ہیں، جو شدید الضعف نہیں ہیں، اگر اُن کو ملایا جائے، تو قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

(نوادر الحدیث/ ۲۴۱ تا ۲۵۱)

رُقیہ اور تعویذ شرک ہے یا نہیں؟

غیر مقلدین اور سلفی حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ رُقیہ اور تعویذ شرک ہے، بلکہ بعض لوگ تعویذ لکھنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کو بھی جائز نہیں سمجھتے، اور بلادِ عرب میں سلفی ذہن رکھنے والے اگر کسی ہندی، پاکستانی شخص کو تعویذ باندھے دیکھ لیتے ہیں، تو فوراً اس کو توڑ کر پھینک دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: شرک شرک؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے تعلیق تمائم کو شرک قرار دیا ہے۔

جب کہ حضراتِ صوفیاء و مشائخ اور علماءِ احناف رُقیہ اور تعویذ کو جائز قرار دیتے ہیں، جب کہ اُس تعویذ میں کوئی غلط الفاظ اور غلط معنیٰ نہ لکھے ہوں، یعنی ایسا تعویذ جو آیاتِ قرآنیہ، اسماءِ الٰہیہ یا ادعیہ پر مشتمل ہو، ایسے تعویذ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ علامہ ابنِ تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں، اور علامہ ابنِ قیمؒ نے زاد المعاد اور الطب النبوی میں، اور علامہ سیوطیؒ نے مجرباتِ سیوطی میں، امام غزالیؒ نے خواصِ قرآنی اور کتاب الاوفاق میں بہت سے مجرب

عملیات، رُقیے اور تعویذات لکھے ہیں اور اُن کو جائز قرار دیا ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کا عمل بھی اِسی کے مطابق تھا۔ ایک مرتبہ حضرت شیخؒ بہت سخت بیمار ہو گئے اور عرصے تک بیمار رہے، احقر اُس وقت زیرِ تعلیم اور حضرت کی خدمت میں تھا، حضرتؒ نے احقر کو صحت کے لیے آیاتِ شفاء- جس کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے ''القول الجمیل'' میں، اور حضرت تھانویؒ نے ''بہشتی زیور'' میں لکھا ہے- چینی کی پلیٹ میں زعفران سے لکھنے کا حکم دیا؛ چناں چہ احقر روزانہ بعد فجر لکھ کر حضرت کو پلایا کرتا تھا، الحمدللہ! حضرت کو شفاء ہوئی۔ حضرت پر سخت قسم کا سحر بھی تھا، بعض موقعوں پر تھوڑی مدت تک کے لیے احقر نے حضرت کو تعویذ پہنے ہوئے بھی دیکھا۔

اِس سلسلے میں بعض سلفی ذہن رکھنے والوں نے حضرت سے سوال کیا کہ ابوداود کی روایت میں ہے: مَن علّق تميمة فقد أشرك؛ پھر تعویذ، گنڈے کے دلائل کیا ہیں، حضور اکرم ﷺ یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے اس کا ثبوت ہو تو بتلائیے، عقلی اور تاویلی جواب سے احتراز کیجیے۔ چنانچہ حضرت اقدسؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا، جواب کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال: إذا فزع أحدكم في النوم فليقل أعوذ بكلمات الله التامّات الخ ... كان عبد الله بن عمرو رضي الله عنه يعلّمها من بلَغَ من ولده، ومن لم يبلغ منهم كتبها في صك، ثم علّقها في عنقه. (رواه أبو داود والترمذي، كذا في المشكاة: ٢١٧، وكذا رواه البخاري في خلق أفعال العباد ص/٨٨)

وأخرج الطحاوي (٢/٣٢٣) عن عائشة رضي الله عنها قالت: ليست بتميمة ما عُلّق بعد أن يقع البلاء.

وأخرج أبو نعيم في أخبار أصبهان (ص:١٠٢) **عن عائشة قالت: إنما**

التمائم ما عُلّق قبل البلاء، فأمّا ما عُلّق بعد البلاء فليس من التمائم. و كذا أخرجه الحاكم.

وفي طبقات الحنابلة لابن رجب (۴/۵۷) في ترجمة أبي عمرو بن قدامة: قال الموفّق: كان مجابَ الدعوة، وما كَتب لأحدٍ ورقةً للحمّى إلا شفاه الله تعالى.

اِس سے بھی بہ ظاہر تعویذ مراد ہے اور سلف کا عمل ہے۔ (نوادر الحدیث/ ۵۰۵)

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام عالمِ برزخ میں زندہ ہیں یا نہیں؟ اور اصحابِ قبور و اولیاء سے فیض ہوسکتا ہے یا نہیں؟

یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ اور معرکۃ الآراء مسائل میں سمجھا جاتا ہے کہ عالم برزخ میں انبیا علیہم الصلاۃ والسلام زندہ ہیں یا نہیں، نیز عالم برزخ میں اولیاءِ کرام سے یعنی ان کے مرنے کے بعد بھی ان سے اور اصحابِ قبور سے فیض ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماءِ دیوبند و سہارنپور کا جو مسلک ہے بالکل واضح ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب بھی اسی مسلک و مشرب کے قائل تھے۔ البتہ سلفی اور غیر مقلدین حضرات اس کا انکار کرتے ہیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب شارح ابو داود اس مسئلہ سے متعلق مسلک دیوبند کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

عندنا و عندمشايخنا حضرة الرسالة صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیّ فی قبره الشريف و حيوٰته صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنيوية من غير تكليف وهی مختصة به صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و بجميع الانبياء صلوات الله عليهم و الشهداءلا برزخية كما هی حاصلة لسائر المؤمنين بل

لجميع الناس كما نص عليه العلامة السيوطي علیہ الرحمۃ في رسالته "إنباء الأذكياء لحياة الأنبياء" فثبت بهذا أن حيوٰته دنيوية برزخية لكونها في عالم البرزخ.

(ترجمہ) ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بغیر مکلف ہونے کے۔ اور حیات مخصوص ہے آں حضرت ﷺ اور تمام انبیاءؑ اور شہداء کے ساتھ (وہ اس درجہ کی) برزخی نہیں ہے جو تمام مسلمانوں کو بلکہ سب آدمیوں کو حاصل ہے، چناں چہ علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ "انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء" میں بتصریح لکھا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کی حیات دنیوی ہے، اور اس معنیٰ کر برزخی بھی ہے کہ عالمِ برزخ میں حاصل ہے۔

(رسالہ المھنّد علی المفند/ ۳۴، سوال ۵ کا جواب)

اور برزخی زندگی میں اولیاء و مشائخ اور اصحابِ قبور سے فیض ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

وأما الاستفادة من روحانية المشايخ الأجلة ووصول الفيوض الباطنية من صدورهم أو قبورهم فيصح على الطريقة المعروفة في أهلها وخواصها لا بما هو شائع في العوام.

(ترجمہ) اب رہا مشائخ کی روحانیت سے استفادہ اور ان کے سینوں اور قبروں سے باطنی فیوض پہنچنا، سو بیشک صحیح ہے۔ مگر اس طریقہ سے جو اس کے اہل اور خواص کو معلوم ہے، نہ اس طرز سے جو عوام میں رائج ہے۔ (رسالہ المھند علی المفند سوال-۱۱ کا جواب/۴۱)

حیاتِ انبیاء و شھدا کے متعلق حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا کلام نہایت جامع ہے۔ جو اہل دیوبند کا مسلک ہے وہ یہ ہے۔ حضرت تھانوی تحریر فرماتے ہیں:

''مرنے کے بعد برزخی حیات ہر شخص کی روح کو حاصل ہے اور اسی سے جزاء وسزا کا ادراک ہوتا ہے، لیکن شہید کو اس حیات میں اور مُردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے، اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے۔ پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو اُحیاء کہا گیا۔ اور ان کو دوسرے اموات کے برابر کہنے کی ممانعت کی گئی۔ اور یہی حیات ہے، جس میں حضراتِ انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں، حتیٰ کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثلِ ازواجِ اُحیاء کے ان کی ازواج سے کسی کو نکاح جائز نہیں ہوتا، اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا، پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں، پھر شہداء پھر اور معمولی مُردے۔ (بیان القرآن سورہ بقرہ ج ۱/ ۸۸)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ بھی مسلکِ علماءِ دیوبند کے مطابق حیاتِ انبیاء کے قائل تھے، نیز برزخی زندگی میں اولیاءِ کرام واصحابِ قبور سے فیض پہنچنے کے بھی قائل تھے۔ اگرچہ سلفی حضرات اس کے منکر ہیں، حضرت شیخ نے حیاتِ انبیاء سے متعلق اپنے ایک مقالہ میں دس حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، جن سے حیاتِ انبیاء کا ثبوت ہوتا ہے، اس کے بعد حیاتِ شہداء اور انبیاء کا فرق اور اس پر ہونے والے شبہات کے جوابات بھی تحریر فرمائے ہیں۔ حیاتِ انبیاء سے متعلق دس حدیثوں کے ذکر کرنے کے بعد حضرت شیخ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ دس حدیثیں ہم نے بطور نمونہ کے ذکر کی ہیں، ان سے صاف اور واضح طور سے حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا اپنی قبورِ مطہرہ کے اندر باحیات ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ ساری روایات اس باب میں مؤید ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ پر عرض

اعمال کا ذکر ہے یا حضور اقدس ﷺ پر درود شریف کے پیش ہونے کا ذکر ہے، اسی طرح قبر میں نماز پڑھنا اور لیلۃ الاسراء میں حضرات انبیاء کا ایک دوسرے سے ملاقات کرنا، یہ سب خواصِ حیات میں سے ہے، نیز آیتِ قرآنیہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم الصلاۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں: ”وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ“ (ترجمہ) ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کے راستہ میں شہید ہوگئے، یہ مت کہو کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں) اب جب کہ نص قرآنی سے حیاتِ شہداء ثابت ہوتی ہے، اور حضراتِ انبیاء شہدا سے بدرجہا افضل ہیں، لہٰذا ان کو بدرجۂ اولیٰ حیات حاصل ہوگی۔ حیاتِ شہداء اکمل و اعلیٰ ہے، اور حیاتِ انبیاء ان سے اکمل و اعلیٰ ہے، نیز حیاتِ انبیاء حیاتِ عنصری ہے، اور حیاتِ عامۂ مؤمنین وغیرہ برزخی ہے۔

(نوادر الفقہ باب-٦ کتاب الانبیاء/ ۲۲۶، ۲۲۷ مطبوعہ لکھنؤ)

یہ تو حضرت کی تحریر اور مقالہ کا اقتباس تھا، حضرت کی تقریر میں اس کی مزید وضاحت ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ حیاتِ انبیاء کے قائل ہونے کے ساتھ کبارِ اولیاء سے فیض پہنچنے کے بھی قائل تھے چناں چہ درس بخاری میں ارشاد فرماتے ہیں۔

”میں ایک ضمنی بات کرتا ہوں، اگر چہ یہ میری حیثیت نہیں ہے، کہ حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات عجیب وغریب حیات ہے اس کا اندازہ ہم جیسوں کو نہیں ہوسکتا ہے، لیکن وہ اولیاءِ کبار جن کی روحانیت میں اللہ تعالیٰ تصرف کی قوت ڈال دیتے ہیں ان کو اندازہ ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو اولیاءِ کرام کی روحانیت اور ان کے قوت تصرف وفیض کا احساس ہوا ہے۔

بعض اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ دنیا میں اور اس عالم کون میں ہوتے ہوئے اگر وہ یوں

نظر ڈالتے ہیں، تو ان کی نگاہ کا فیض ایک دوسو میل نہیں، ایک دو ہزار میل نہیں، ہزاروں میل دور چلا جاتا ہے۔ اور ایسے اولیاء اللہ اب بھی موجود ہیں، جن کے فیوض قلبیہ ہزاروں میل پہنچ جاتے ہیں، مرنے کے بعد بھی ان اولیاء کے فیوض کا انتقال ہوتا ہے کہ ان اولیاء سے کسی کو نسبی یا روحانی تعلق ہوتا ہے اور واقعۃً ان اولیاء کی روح ان سے راضی ہوتی ہے تو ان کے فیوض ان تک پہنچتے رہتے ہیں چاہے وہ ہندوستان چھوڑ کر مکہ چلے جائیں یا مدینہ یا کہیں اور چلے جائیں، تو جب ان اولیاء امت کے اندر اتنی طاقت ہے اور مرنے کے بعد ان کی حیات میں اتنا زور ہے تو جو صاحبِ امت ﷺ ہیں اور سید الانبیاء ہیں ان کی روحانیت کتنی فیض اور طاقت والی ہوگی۔

ایک بات کہنے کی نہیں لیکن کہتا ہوں کہ میں اپنی چار پائی پر بیٹھا تسبیح پڑھ رہا تھا، نیچے ایک صوفی بیٹھے ہوئے تھے، جو زیادہ پڑھے لکھے نہیں، لیکن ان کے دل کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، ان سے میری دوستی ہے، میں ذکر کرتے کرتے باتیں بھی کر رہا تھا، میں نے ان سے یہ کہا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی بعثت اس عالم میں شرک و کفر کی بیخ کنی کے لیے ہوئی تھی، آپ توحیدِ خالص کی اشاعت کے لیے تشریف لائے تھے، تو انہوں نے ایک دم اسی وقت کہا: ابھی میں نے دیکھا کہ روضۂ اطہر سے ایک نور آیا اور تمہاری طرف گیا، مجھے تو کچھ پتہ نہیں چلا، اندھے آدمی کو کیا پتہ چلے، لیکن جس شخص کے سامنے یہ بات ہوئی تھی اس نے ایک دم یہ بات کہی۔

ایک دفعہ ایک طالب علم نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ جیسا پیدا کرنے پر قادر ہیں؟ تو میں نے کہا کہ دو باتیں ہیں: ایک ہے عالم امکان اور دوسرا عالم وقوع، عالم امکان میں اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ جیسا تو کیا حضرت محمد ﷺ سے کروڑوں اور

اربوں درجہ رسول پیدا کرنے پر قادر ہیں، لیکن عالم وقوع میں یہ ہوگا نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کو خاتم الانبیاء سید المرسلین بنا دیا ہے، اور قیامت کے دن آدم اور تمام اولادِ آدم حضرت نبیٔ اکرم ﷺ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، وہ طالب علم صاحب کشف تھے، اور عجیب وغریب ان کے کشوف تھے، وہ کبھی کبھی میرے پاس آکر ادھر ادھر کی باتیں سنایا کرتے تھے، تو انہوں نے ایک دم رونا شروع کیا، اور بہت دیر تک روتے رہے میں تو خاموش ہوگیا، جب رونا ختم ہوگیا تو میں نے پوچھا کہ تو کیوں رو رہا تھا؟ اس نے کہا کہ جس وقت آپ یہ تقریر کر رہے تھے، تو میں نے دیکھا کہ روضۂ اطہر سے حضور اکرم ﷺ نے اپنا چہرۂ انور نکالا اور تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں، اب مجھے ڈر سا معلوم ہوا میں وہمی آدمی ہوں کہ حضور نے تائیداً دیکھا یا تردیداً؟ کیا ہوا ہوگا، خیر دس سال کے بعد تیسرے سال میں نے حضرت شیخ (مولانا محمد زکریا صاحبؒ) کو خط لکھا، اور خط میں یہ واقعہ لکھ دیا، اور لکھنے کا منشا یہ بات تھی کہ میں نے خواب میں اس طرح دیکھا کہ مجھ سے کوئی پوچھتا ہے کہ کیا محمد ﷺ جیسا اللہ پیدا کر سکتے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ اللہ محمد ﷺ تو کیا ان جیسے لاکھوں بلکہ اربوں درجہ افضل پیدا کرنے پر قادر ہیں، پھر مجھے اس بچہ کا قصہ یاد آگیا، تو میں نے یہ سب لکھ کر مدینہ منورہ بھیج دیا، شیخ کا وہاں سے جواب آیا کہ حضور ﷺ کا دیکھنا تردید نہیں تھی بلکہ تائید تھی۔

(کتاب التوحید/۱۶۱، ۱۶۲)

اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ اولیاء کے متصرف ہونے کے قائل تھے، دوسرے موقع پر آپ نے اس کی پوری وضاحت فرما دی کہ اللہ کی اجازت اور اس کی مرضی ومشیت کے بغیر سارے اولیاء اور سارا عالم مل کر بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ چناں چہ ارشاد فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا صدیق احمد باندویؒ سے ایک بدعتی نے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے چاہنے سے کچھ ہوسکتا ہے؟ مولانا نے جواب دیا: بہت کچھ ہوسکتا ہے، اگر اللہ چاہیں، مطلب یہ کہ اللہ ہی کے چاہنے سے ہوسکتا ہے، اللہ کے چاہے بغیر اگر ساری مخلوق چاہنے لگے تو کچھ نہیں ہوگا۔ آیا ہمارے رسول پاک ﷺ نے ابو طالب کی ہدایت کو نہیں چاہا ہے؟ لیکن کیا ہوا؟ وہ ہوا جو اللہ نے چاہا۔ کیا حضور قوم کی ہدایت نہیں چاہتے تھے؟ کیا آپ سارے عالم کی ہدایت کو نہیں چاہتے تھے؟ لیکن اللہ نے فرمادیا ''اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ'' اللہ جس کو چاہیں ہدایت دیں، جس کو چاہیں ہدایت نہ دیں، حالاں کہ حضور ﷺ دوست و دشمن سب کی ہدایت چاہتے تھے۔

(کتاب التوحید/ ۱۱۹، بخاری شریف/ ۱۱۱۲ باب فی المشیۃ والارادۃ)

مذکورہ بالا ارشاد میں حضرت والا نے واضح فرمادیا کہ عالم دنیا یا عالم برزخ سارے عالم میں اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کی مشیت کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوسکتا، سارے اولیاء و انبیاء بھی اس کی مرضی اور ارادے کے بغیر کچھ بھی نہیں کرسکتے۔ فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْدُ صرف اسی کی شان ہے۔ (جاری)

یادیں

(حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتھم)

(پہلی قسط)

اپنے آپ کو مسلک کے اعتبار سے دیو بندی کہتے اور لکھتے ہوئے تو مجھے اس لیے تأمل ہوتا ہے کہ اس سے فرقہ واریت کی بو آتی ہے، اور بعض لوگ دیو بندی مسلک کے لفظ سے اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ دیو بندی کوئی مذہبی فرقہ ہے، جس نے امت کی اکثریت سے ہٹ کر کوئی الگ راستہ نکالا ہے، حالاں کہ دار العلوم دیو بند کے مکتب فکر سے وابستہ علماء اپنے اعتقاد و عمل میں قرآن کریم اور سنت نبوی علی صاحبہا السلام کی ٹھیک اسی معتدل تعبیر کے قائل ہیں، جو چودہ سو سال سے امت میں متوارث چلی آتی ہے، انہوں نے کسی نئے فرقے کی بنیاد نہیں ڈالی، بلکہ جمہور امت جن عقائد کے قائل اور جن اعمال پر کاربند چلے آتے تھے، علماءِ دیو بند ٹھیک اُن ہی عقائد و اعمال کے پابند ہیں، البتہ اگر کبھی ان پر کوئی گرد و غبار آتا دیکھا، تو اسے حکمت اور استقامت سے ہٹانے کی کوشش انہوں نے ضرور کی ہے، جس کے نتیجے میں بعض ان سے عناد رکھنے والوں نے یہ تأثر دیا ہے کہ وہ ایک الگ فرقہ ہیں۔ اس موضوع پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''علمائے دیو بند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج'' بہترین کتاب ہے، اور اس کے مقدمے میں، میں نے اس پہلو کو مزید واضح کیا ہے، لیکن اس وقت کہنا یہ تھا کہ حضرات علماء دیو بند کو دینی معاملات میں اپنا آئیڈیل سمجھنے کے باوجود مجھے یہ کہنے میں تو تأمل ہوتا ہے کہ میں مسلک کے اعتبار سے ''دیو بندی'' ہوں، کیوں کہ اس سے فرقہ واریت کی بو آتی ہے، لیکن میں پیدائشی طور پر دیو بندی ضرور ہوں اور مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم

سے یہ سعادت ضرور حاصل ہے کہ میری پیدائش اُس قصبے میں ہوئی جہاں دارالعلوم دیوبند نے علم وفضل، عزیمت واستقامت اور عظمتِ کردار کے وہ پہاڑ پیدا کیے جن کی نظیریں اس آخری دور میں ملنی مشکل ہیں۔

دیوبند میں ہمارے آباء واجداد ''میاں جی'' کے لقب سے مشہور تھے۔''میاں جی'' اس دور میں ایک لقب تھا جس کے بارے میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ:

''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قصبات ودیہات میں پھیلے ہوئے عام مکاتب جن میں قرآن کریم کی تعلیم کے بعد اردو، فارسی، حساب ریاضی کی تعلیم کا عام رواج تھا۔ جو آج کل مڈل اسکول کی تعلیم سے زیادہ معیاری تعلیم تھی، اس کے اساتذہ ''میاں جی'' کے لقب سے مشہور ہوتے تھے، جو دینی تعلیم کے ساتھ عملی تقدس کے حامل ہوں، جیسے حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے شیخ میاں جی نور محمد صاحب (رحمۃ اللہ علیہما) بھی لوہاری میں معروف ہوئے، اور میاں جی منے شاہ صاحبؒ دیوبند میں صاحب کشف وکرامات بزرگ ہوئے ہیں۔''

حضرت والد صاحبؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

مجھے اپنے خاندان کا کوئی موثق اور باسند نسب نامہ ہاتھ نہیں آیا، مگر شریعت نے ان معاملات میں سند متصل ہونے کی شرط نہیں رکھی، بلکہ بڑے بوڑھوں کی زبان پر عام شہرت کو کافی سمجھا ہے۔ میں نے اپنے خاندان کے بزرگوں سے بتواتر یہ بات سنی ہے کہ ہمارا خاندان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد

میں سے ہے۔‘‘[۱]

میری پیدائش ۵ رشوال ۱۳۴۲ھ کو ہوئی۔ اپنی پیدائش کی یہی تاریخ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی بیاض میں لکھی ہوئی دیکھی تھی۔ کیوں کہ اس ماحول میں تاریخوں کو محفوظ رکھنے کے لیے ہجری سالوں اور مہینوں ہی کا حساب رکھا جاتا تھا، اس لیے حضرت والد صاحبؒ نے اس کے ساتھ شمسی تاریخ نہیں لکھی تھی، لیکن بعد میں مختلف تقویموں کے ذریعے حساب لگانے سے معلوم ہوا کہ وہ اکتوبر ۱۹۴۳ء کی تیسری تاریخ تھی۔ اور یہ واقعہ بھی میں نے اپنی والدہ ماجدہ اور اپنے بہن بھائیوں سے سنا کہ جس دن میں پیدا ہوا، اُسی دن جس بستر پر مجھے لٹایا گیا تھا، اس پر چھت سے ایک سانپ آ کر گر گیا تھا، اور اگر اسے کسی طرح بستر سے ہٹا کر مار نہ دیا گیا ہوتا، تو شاید یہ دنیا میری برائیوں سے محفوظ ہو جاتی۔

بہر حال! مجھے اپنی عمر کے صرف چار سال سات مہینے (اکتوبر ۱۹۴۳ء سے مئی ۱۹۴۸ء تک) دیوبند کے قصبے میں گزارنے کا موقع ملا، اور وہاں بچپن کا صرف وہ وقت میں نے گزارا جس میں بچے کو اپنے کھیل کود کی دنیا سے باہر کسی چیز کا شعور نہیں ہوتا اور بعد میں جب بڑا ہو جاتا ہے، تو اس دور کی باتیں بھول بیٹھتا ہے۔ لیکن مجھے اس بچپن کے دیوبند کی بہت سی باتیں اس طرح یاد ہیں جیسے میں آج انہیں دیکھ رہا ہوں۔

یہ وہ وقت تھا جب دیوبند کے گھروں میں نہ بجلی تھی، نہ پنکھا، نہ بہتے ہوئے پانی کے نل، نہ تیل نہ گیس کے چولھے۔ بجلی کے قمقموں کی جگہ یا تو موم بتی کے چراغ تھے، یا لالٹینیں۔ نلوں کی جگہ پانی کا ذخیرہ مٹی کے مٹکوں یا پیتل کے گھڑوں میں رکھا جاتا تھا،

---

(۱) ہمارے نسب کی یہ تفصیلات حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ کی کتاب ’’میرے والد ماجد‘‘ میں درج ہیں۔

جنہیں بھرنے کے لیے اکثر کسی ماشکی کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں، جو چمڑے کی بڑی سی مشک لاد کر گھر گھر پانی پہنچایا کرتا تھا۔ کوئی فیشن ایبل اور خوش حال علاقہ ہوتا، تو اس میں بورنگ کر کے ایک مشترک لوہے کا نلکا لگا دیا جاتا تھا، جس کے ہینڈل کو زور زور سے اوپر نیچے کر کے کسی بالٹے یا لوٹے میں پانی بھرا جا سکتا تھا۔ پانی مہیا کرنے کے علاوہ اس کا ایک فائدہ یہ تھا کہ ہاتھوں کی بلکہ پورے جسم کی ورزش ہو جایا کرتی تھی۔ چوں کہ میری عمر ایسی ورزش کی متحمل نہیں تھی، اس لیے دوسروں کو اس کے ہینڈل سے جھولتے ہوئے دیکھ کر ہی خوش ہو لیتا تھا۔ گھروں میں پینے کے لیے صراحیاں ہوتی تھیں، جو لُو کے تھپیڑے کھا کر خوب ٹھنڈی ہو جایا کرتی تھیں۔ بجلی کے پنکھوں کی جگہ ہاتھ کے پنکھے ہوتے تھے، جو آج بھی جب بجلی چلی جاتی ہے، تو بے طرح یاد آتے ہیں۔

مئی جون کے موسم میں جب گرمی کی تپش در و دیوار سے پھوٹتی، تو لکھوری اینٹوں سے بنے ہوئے صحن میں کوئی سقاء (جسے بہشتی اور ماشکی بھی کہا جاتا تھا) اپنی مشک سے فرش پر پانی کا چھڑکاؤ کر جاتا تھا اور جب فضا میں رُکی ہوئی ہوا کو ہاتھ کے پنکھوں سے منہ کی طرف درآمد کیا جاتا، تو گیلے فرش سے سوندھی سوندھی خوشبو اٹھا کرتی تھی اور اس سے ممکنہ ٹھنڈک حاصل کرنے کا کام بھی نکل جاتا تھا۔ اسی موسم میں جب میں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ ایک بانوں سے بنی ہوئی چار پائی پر صحن میں لیٹتا تو میرے اور تاروں بھرے آسمان کے درمیان گیس، پٹرول اور ڈیزل کا کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا تھا اور نہ فضا میں پھیلی ہوئی کسی روشنی سے کوئی چھوٹے سے چھوٹا ستارہ ماند پڑتا تھا۔ جگمگ کرتے ستاروں کے درمیان کہکشاں کے جال اور اس سے پھوٹتی ہوئی سفیدی کو میں دیر تک تکتا رہتا اور ہم بچے یہ سمجھتے کہ یہ آسمانی سڑک ہے، جو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لیے بنائی ہے۔ اسی آسمانی سڑک پر

فرشتوں کی آمد و رفت کا تصور کرتے کرتے مجھے نیند آجاتی تھی۔

دل چاہ رہا ہے کہ اپنی ان یادوں کو بچپن کے اس دور کے کچھ متفرق واقعات سے شروع کروں، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ میں اس وقت کے اپنے گھر کے افراد کا مختصر تذکرہ کردوں:

مجھے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف کرانے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ میری پہچان ان کے واسطے سے (۱) میں جو کچھ بھی ہوں، ان ہی کی نسبت سے ہوں۔ اگر کوئی اچھائی اللہ کی توفیق سے ملی ہے، تو ان ہی کے واسطے اور فیض سے، اور اگر کوئی برائی آئی ہے، تو وہ ان کی صحبت سے فائدہ نہ اٹھانے کی وجہ سے ہے، غرض جو کچھ ہوں ان ہی کا ہوں:

اگر سیاہ دلم، داغِ لالہ زارِ توام
وگر کشادہ جبینم، گلِ بہارِ توام

لہٰذا میری اس سرگذشت میں ان کا تذکرہ ان شاء اللہ بار بار آئے گا۔

میں نے جب سے آنکھ کھولی حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو دو کاموں میں مشغول دیکھا۔ وہ اس وقت اگرچہ دار العلوم دیوبند کے مفتیٔ اعظم کے عہدے اور تدریس سے مستعفی

---

(۱) اور الحمد للہ ان کا قدرے مفصل تذکرہ میں اپنی کتاب ''میرے والد میرے شیخ'' میں کر چکا ہوں، اور ماہنامہ البلاغ کا مفتیٔ اعظم نمبر بھی میری ادارت میں شائع ہو چکا ہے، جس میں بہت سے مضامین کے علاوہ برادر معظم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم کے قلم سے اُن کی مفصل سوانح بھی ہے، جو بعد میں الگ کتابی صورت میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ اس میں ہمارے خاندان اور آباء واجداد کا تذکرہ بھی ہے۔)

ہو چکے تھے، لیکن ایک تو بہت سے طالب علم جو خاص طور پر ان ہی سے شاگردی کا شرف حاصل کرنا چاہتے تھے، اُن سے خصوصی درخواست کر کے اُن سے ہمارے گھر پر آ کر پڑھا کرتے تھے۔ یہ وہ چیز تھی جسے آج کوچنگ یا ٹیوشن کہا جاتا ہے، لیکن بڑا فرق یہ ہے کہ آج کوچنگ اور ٹیوشن، پڑھانے والوں کے لیے آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ ہوتے ہیں، لیکن دینی مدارس میں استاذ شاگرد کا رشتہ ایسا بے لوث ہوتا ہے کہ جس طالب علم کے لیے باقاعدہ درس گاہ میں پڑھنا کافی نہ ہوتا ہو، اسے استاذ الگ سے پڑھانے میں نہ صرف یہ کہ بخل سے کام نہیں لیتے، بلکہ پوری ذمہ داری کے ساتھ شاگرد کا حق ادا کرتے ہیں، اور اس پر طالب علم سے کوئی معاوضہ وصول کرنا مدارس کے ماحول میں نہایت معیوب سمجھا جاتا ہے، چاہے استاذ کی معاشی حالت کیسی ہی کمزور ہو۔ چناں چہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی جذبے کے ساتھ ان طلبہ کو ہمارے گھر یا مسجد میں پڑھایا کرتے تھے۔

ہمارے محلے کی مسجد کا نام تو آدینی مسجد تھا (۱) لیکن لوگ اسے عام بول چال میں دینی مسجد کہتے تھے۔ شروع میں ہمارے دادا حضرت مولانا یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُس کے متولی تھے (۲)، بعد مین حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے متولی بنے اور بعض اوقات اس میں بھی درس دیا کرتے تھے۔

---

(۱) آدینہ فارسی زبان میں جمعہ کو کہتے ہیں اور آدینی کا مطلب تھا وہ مسجد جس میں جمعہ ہوتا ہو۔

(۲) حضرت مولانا محمد یاسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم دیوبند کے قیام سے ایک سال پہلے ۱۲۸۲ھ میں پیدا ہوئے تھے، اور اس طرح دار العلوم دیوبند کے تقریباً ہم عمر تھے، اور ان کا یہ مقولہ میں نے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بارہا سنا کہ ہم نے دار العلوم دیوبند کا وہ زمانہ دیکھا ہے، جب وہاں کے شیخ الحدیث سے لے کر =

دوسرے جب وہ گھر میں ہوتے، تو اکثر اوقات اُنہیں کچھ نہ کچھ لکھتے ہوئے ہی پایا۔ یہاں تک کہ رات کو بھی گرمیوں میں جب ہمارے گھر کے صحن میں روشنی کے لیے سہ دری کے ایک دروازے میں ایک لالٹین لٹکا دی جاتی تھی، حضرت والد صاحبؒ اُسی لالٹین کی روشنی میں اکثر و بیشتر لکڑی کے قلم کو (جسے اس وقت کلک کا قلم کہا جاتا تھا) دوات میں ڈبوڈبو کر کچھ نہ کچھ لکھتے نظر آتے تھے، کیوں کہ فاؤنٹین پین کا رواج نہیں ہوا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی بیٹھک کے ساتھ ایک چھوٹا سا کمرہ بنایا ہوا تھا، جسے ہم حجرہ کہتے تھے۔ وہ ان کی عبادت گاہ تھی، جہاں سے ان کی تلاوت اور ذکر کی آواز آیا کرتی تھی۔

مجھے بچپن کے اُس دور میں حضرت والد ماجدؒ کے علمی اور عملی کمالات کا اندازہ تو کیا ہوتا؟ (صحیح معنیٰ میں تو وہ اب بھی نہیں ہے) لیکن اتنا ضرور تھا کہ اپنی چھوٹی سی کائنات میں وہی محبت وعقیدت کا سب سے بڑا مرکز تھے۔ اور وہ بھی مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ میرے تقریباً تمام بڑے بھائیوں نے ان کی محبت کے ساتھ ان کی ڈانٹ ڈپٹ اور مار کا بھی مزہ چکھا تھا، لیکن میرے حصے میں اُن کا صرف پیار ہی پیار تھا۔ ایک مرتبہ میں (تقریباً بارہ سال کی عمر میں) اپنی والدہ مرحومہ کے ساتھ اپنے بڑے بھائی کے یہاں لاہور چلا گیا تھا۔

= چوکی دار تک ہر شخص صاحب نسبت ولی اللہ تھا۔ ہمارے یہ دادا قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے خاص مرید تھے، اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق۔ زندگی بھر دارالعلوم دیوبند میں فارسی اور ریاضی کے استاذ رہے، اور دیوبند کی کئی کئی نسلوں نے ان کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ ان کے حالات حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے ''میرے والد ماجد'' میں تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔

اس وقت انہوں نے بھائی جان کے نام اپنے خط میں لکھا تھا:

''محمد تقی سلمہ کے بغیر مجھے بھی دن کاٹنے مشکل ہو رہے ہیں۔''

دیوبند کے زمانے میں اُن کا صرف ایک مرتبہ مدارس کا سفر مجھے یاد ہے جس میں اُن کی جدائی میرے لیے انتہائی صبر آزما تھی اور اس پر طرّہ یہ ہوا کہ جب وہ سفر سے واپس تشریف لائے، تو میں نے ضد کر کے اپنے بھائیوں کو اس پر آمادہ کر لیا تھا کہ ان کے استقبال کے لیے میں بھی ان کے ساتھ ریلوے اسٹیشن جاؤں گا۔ اس میں سب سے بڑا شوق تو حضرت والد صاحبؒ کے استقبال کا تھا، لیکن اسٹیشن جانے میں دو مزے اور بھی تھے۔ ایک یہ کہ اسٹیشن جانے کے لیے تانگے (گھوڑا گاڑی) کی سواری لازمی تھی۔ محلے میں ایک ہندو تانگے والا پھگو کے نام سے مشہور تھا۔ ایسے موقع پر اس کی خدمات حاصل کرنے کے لیے تانگے کی پہلے سے بکنگ کرالی جاتی تھی، جو اس موقع پر کرالی گئی تھی، اس تانگے کی سواری کا موقع ہمیں بہت کم ملتا تھا، کیوں کہ قریب کے فاصلے پیدل اور درمیانی قسم کے فاصلے اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ ڈولی (پالکی) میں طے ہو جایا کرتے تھے۔ اتنی دور جانا شاذ و نادر ہوتا تھا، جس کے لیے تانگے کی ضرورت ہو۔ لہٰذا اسٹیشن جانے میں اس شاہانہ سواری کا مزہ بھی آنا تھا جس کا تصور بڑا دل فریب تھا۔ دوسرے ریلوے اسٹیشن ہمارے لیے بذاتِ خود ایک اعلیٰ درجے کی تفریح گاہ سے کم نہ تھا، جس سے لطف اندوز ہونے کے مواقع خال خال ہی میسر آتے تھے۔ لہٰذا یہ ہمارے لیے کئی لحاظ سے ایک انتہائی پر لطف اور پر مسرت موقع تھا۔

لیکن عین وقت پر نہ جانے میرا ہاتھ کس طرح جل گیا اور اُس کی وجہ سے علاج معالجے کے لیے مجھے گھر ہی میں روک لیا گیا اور میں اسٹیشن جانے سے محروم رہا۔ یہ محرومی میرے لیے کئی محرومیوں کا مجموعہ تھی، اس لیے اس کی حسرت آج بھی یاد ہے۔ لیکن اس کے

بعد یہ پر لطف منظر بھی بھلائے نہیں بھولتا کہ جوں ہی حضرت والد صاحبؒ گھر میں داخل ہوئے اُنہوں نے کسی اور طرف متوجہ ہونے کے بجائے سب سے پہلے مجھے پکارا اور آگے بڑھ کر گود میں اٹھالیا۔ لالٹین کی روشنی میں ان کی سیاہ گھنی داڑھی اور ان کا خوشی اور محبت سے کِھلا ہوا چہرہ اِس وقت بھی میرے تصور کی نگاہوں میں اس طرح سامنے ہے جیسے میں ابھی ان کو دیکھ رہا ہوں۔

تاثرات

بخدمت جناب مولانا طاہر صاحب سورتی زید مجدکم السامی تلمیذ خاص حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ بخیر وعافیت ہوں گے آپ کے مجلہ ''بہار نبوت'' کی پہلی جلد جو ہمارے حضرت الشیخؒ سے متعلق تھی، مولانا مفتی زید صاحب زید مجدہ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی معرفت ملی آپ کا بہت بہت شکریہ۔

آپ کا جو حضرت والا سے خصوصی تعلق تھا، اور اکابرین گجرات کا حضرت الشیخؒ سے جو جذباتی ودینی تعلق تھا، اس کی مختصر سی جھلکیاں سامنے آئیں، آپ کے خصوصی تلمذ کی بدولت حضرت الشیخؒ کی بہت سی خصوصی صفات اس مجلہ کے صفحات میں پڑھنے کو ملیں، اس سے بڑا فائدہ ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کی مساعیٔ جمیلہ کو قبول فرما کر آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس عاجز نے بھی حضرت الشیخؒ سے متعلق چند باتیں مضمون کی شکل میں مرتب کی ہیں، جو ارسال خدمت ہیں، اگر مناسب معلوم ہو تو اگلے جزء میں شامل فرمالیں۔

بندہ

عبدالسلام الخطیب بھٹکلی ندوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

گرامی قدر مفتی طاہر صاحب زید مجدہ

بعد از تحیۂ مسنونہ امید ہے کہ عافیت سے ہوں گے۔

دیگر عرض یہ ہے کہ آپ کی ادارت میں محدث العصر حضرت جونپوری قدس سرہ کی حیرت انگیز زندگی پر مشتمل شائع شدہ پہلا خصوصی شمارہ بنام ''بہارِ نبوت'' بڑی بے تابی کے بعد موصول ہوا، اور اسی بے تابی کی کیفیت اور شوق و وارفتگی کے بے پناہ جذبے کے ساتھ تقریباً ایک ہی نشست میں اسے پڑھا بھی گیا۔ طباعت و کتابت، صفائی و حسن ترتیب، زبان و ادب، فکری پختگی وغیرہ کو کہیں سے بھی تقریباً اپنے نقش اول ہونے کا شکوہ کناں نہیں پایا۔ اللھم زد فزد.

پرچہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق بیان کیے گئے واقعات و مشاہدات، احساسات و تأثرات میں شک و شبہ اور خوش عقیدگی کا کہیں شائبہ اس لیے بھی نہیں گزرا کہ بیان کرنے والا شنیدہ ہی نہیں بلکہ دیدہ سے بڑھ کر چشیدہ بھی ہے، تو پڑھنے والے کو بھی اپنے رفیق محترم مولوی زکریا ادھنوی کے ساتھ اپنے سرپرستوں کی عنایات سے رمضان المبارک اور دیگر مناسبات سے حاضری کی سعادت کے علاوہ تقریباً ایک سال تک مستقل طور پر حضرت کی زندگی کے مختلف گوشوں کو بہت ہی قریب سے دیکھنے اور برتنے کا زریں موقع ملا۔ فللہ الحمد.

حضرت رئیس دامت برکاتھم کی خوردوں اور نوخیزوں کی تشجیع و قدردانی کا مزاج کس سے مخفی ہے؟ لیکن مشرق و مغرب کے مے کدوں کے دیکھے ہوئے اسی جہاں شخص کی قدردانی اور وسیع الظرفی کا یہ قابلِ رشک جذبہ، اپنے کسی شاگرد و متعلق کے بارے میں نہیں، بلکہ اپنے ایک ہم عصر اور تقریباً ہم عمر کے باب میں بھی اپنی اُسی تمام تر آب و تاب کے ساتھ پورے طور پر جلوہ گر نظر آ رہا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پڑھنے والے مجھ ایسے بے علم و بے مایہ اور اندھی تقلید کے خوگر لوگوں کے لیے حضرت خانپوری دامت برکاتھم کا یہ مختصر جملہ کہ ''حضرت کی زندگی کے عملی پہلو کو اپنانے کا اہتمام کیا جائے'' کس قدر اہم اور اپنے اندر بڑا تحذیری و تنبیہی پہلو رکھتا ہے۔

لکھنے لکھانے کے حوالے سے کوتاہ واقع ہوئے اس دیار میں علمی و تحقیقی، اصلاحی و دعوتی پرچہ کا اجراء یقیناً یہ ایک نہایت حوصلہ مندانہ قدم ہے۔

اللہ پاک ہمت و استقامت کے ساتھ ہم سبھوں کی طرف سے آپ کو اور آپ کے رفقائے کار کو بہترین جزاء عطا فرمائے۔

از: (مفتی) زبیر احمد عفی عنہ

کھروڈ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جزاکم اللہ خیرا۔ آپ کی تحریر سے اطمینان ہوا، حوصلہ بڑھا۔ کیا اچھا ہوتا کہ آپ بھی حضرت شیخ پر کچھ لکھتے۔ آپ نے فون پر کچھ اور بھی باتیں ہمت بندھانے والی فرمائی تھیں۔ تحریر میں بھی وہ جملے آجاتے۔

فقط

طاہر عفی عنہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محترم ومکرم حضرت مفتی طاہر صاحب دامت برکاتھم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد سلام عرض ایں کہ بندہ نے آپ کی مرتبہ کتاب بنام ''بہارِ نبوت'' بفضلہٖ تعالیٰ کافی ذوق وشوق کے ساتھ پڑھی۔ ماشاء اللہ کتاب کا طرز کچھ اس طرح تھا کہ ایک مرتبہ مطالعہ شروع کیا، تو تقریباً آدھی کتاب اور دوسری مرتبہ میں مکمل ہوگئی۔ کتاب کے پڑھنے کے بعد مجھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے جو محبت تھی اور جو عقیدت تھی، اس میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہدات اور دنیا سے بے رغبتی اور کتابوں کے مطالعے کے شوق کو پڑھ کر دلی کیفیت میں کافی انقلاب پایا۔ اور محنت کا جذبہ پیدا ہوا۔ اور دورانِ مطالعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو پڑھ کر آنکھیں آنسوؤں میں ڈبڈبا گئیں۔

اللہ تعالیٰ آں حضرت کی اس کاوش کو بے انتہا قبول فرما کر دارین میں بہترین بدلہ نصیب فرمائے۔ (آمین)

از: محمد زید بن محمد یوسف پوٹھاوالا
متعلم: جامعہ تعلیم الدین، ڈابھیل

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عزیزم! اگر واقعۃً اس کتاب کے پڑھنے سے کسی کو عبرت ہوجائے اور پڑھنے کے لیے مر مٹنے کا جذبہ پیدا ہوجائے، تو سمجھو ہماری محنت وصول ہے۔ فجزاکم اللہ خیراً و وفقنی و إیاکم.

طاہر سورتی

محترم ومکرم حضرت مفتی طاہر صاحب زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ، بہار نبوت نمبرا مکمل پڑھ لی، علم وعمل میں بہت ترقی اور فائدہ محسوس ہوا شیخ کی عظمت اور مقام کا اندازہ شاید اب پتہ چلا، نئے جذبات پیدا ہوئے، علم سیکھنے کی لگن سوار ہوئی، کچھ کر دکھانے کا ولولہ پیدا ہوا، اوصاف باطنہ کی طرف خود بہ خود توجہ حاصل ہوئی، اور اخلاق حمیدہ پیدا کرنے کی دعائیں شروع کر دیں، میں تو شیخ کو جانتا بھی نہیں تھا اور ان کا نام ہی صرف سن رکھا تھا، بہت کوشش کے بعد ٹھیک سے زیارت بھی نہیں ہوئی تھی، سوائے ایک مرتبہ قریب بیٹھنے کے، لیکن اسے پڑھنے کے بعد اب ایسی امیدیں اجاگر ہو رہی ہیں کہ کاش کہ میں بھی ان کا ایک ادنی تلمیذ بن جاتا اور صرف شیخ کی مجلس ہی میں شرکت کا موقع مل جاتا۔ شیخ سے کچھ فائدہ حاصل نہ کر پایا اس پر کف افسوس مل رہا ہوں کہ ہم نے کس کو گنوا دیا، ہم اس خلاء کو پورا محسوس کر رہے ہیں، مظاہر کے بہت سے قدیم دوستوں سے سن رہے ہیں کہ شیخ کی موجودگی میں برکتیں ہی کچھ اور تھیں۔ یہ سب صرف آپ کی حکم کی تعمیل میں لکھا ہے جو کتاب میں مسطور ہے کوئی بات پسند آئے تو بھی بتائیں نہ آئے تو بھی فرمائیں جزاکم اللہ خیرا واحسن، آپ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں حقیقت تو یہ ہے کہ آپ نے یہ ترتیب دے کر ہم پر بہت بڑا احسان فرمایا مزید آگے کے نمبر کا منتظر ہوں۔

از: مصعب منیار سورت

متعلم: مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماشاء اللہ! حوصلہ افزائی کے لیے شکریہ۔ ناپسند کا کوئی تذکرہ نہیں کیا آپ نے؟ مطالبہ تو اس کا بھی ہے۔ طاہر سورتی عفی عنہ

جواب:- تھا ہی نہیں کچھ، ماشاء اللہ۔

الحمدللہ! کمپوزنگ بھی عمدہ

کاغذ بھی نمایاں

اور اندازِ بیان بھی نرالا

طباعت بھی نفیس

چھپائی بھی اعلیٰ

معاونین بھی انتخاب شدہ

اور یہ سب کیوں نہ ہو؟ جب کہ۔۔۔۔۔

از: مصعب منیار

گرامی قدر حضرت مفتی طاہر صاحب دامت برکاتہم !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ بخیر وعافیت ہوں گے۔

عرض ایں کہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے رحلت فرما جانے کے کچھ ہی دِنوں بعد مفکّرِ قوم وملّت حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی مدظلّہ العالی کی خدمت میں حاضری ہوئی تھی، دورانِ گفتگو حضرت نے فرمایا کہ: مفتی طاہر صاحب (سورتی) حضرت شیخ یونسؒ کی زندگی پر کچھ مضامین جمع کر کے مرتب انداز میں رسالے کی شکل میں شائع کر رہے ہیں۔۔۔

جب سے حضرت کی مجلس میں یہ بات کانوں سے ٹکرائی کہ آپ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی حیاتِ مبارکہ کے متعلق رسالہ شائع فرمارہے ہیں، تب سے سراپا انتظار بنا بڑی بے تابی کے ساتھ آپ کے رسالہ کا منتظر تھا، گرچہ حضرت کے انتقال کے بعد لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھا، نہ جانے کتنے رسائل، مضامین اور تذکرے منصّہ شہود پر آچکے؛ مگر اُن میں سے اکثر وبیشتر پڑھنے کے باوجود دِل کی تسکین نہ ہوسکی۔ حضرت علیہ الرحمۃ کی زندگی کے کئی گوشے ایسے تھے کہ کسی بھی صاحبِ قلم نے اُس پر قلم نہیں اُٹھایا؛ اس لیے بڑی شدّت سے انتظار تھا کہ ایسا آدمی قلم اُٹھائے جو حضرت علیہ الرحمۃ کے لیل ونہار سے آشنا ہو، مزاج ومذاق سے واقف ہو، حضرت کے پاس سرد وگرم کا چشیدہ ہو، اور سب سے بڑھ کر حضرت علیہ الرحمۃ کا چہیتا بھی ہو۔ بحمد اللہ آپ کو حضرت کی معیّت وصحبت میں اِن تمام خصوصیات سے حصہ وافر ملا ہے، جہاں آپ حضرتؒ کے شب وروز سے واقف ہیں، وہیں حضرت آپ

کے ساتھ اُلفت ومحبت بھی رکھتے تھے۔

مذکورہ بالا تمام تر خصوصیات ہی کا نتیجہ ہے کہ احقر نے جب آپ کے مضامین پڑھے تو حضرت علیہ الرحمۃ کی زندگی کے وہ روشن وتابناک گوشے سامنے آئے جو ابھی پردۂ خفا میں تھے، مثلاً: حضرت علیہ الرحمۃ کا اپنے خاص انداز میں ڈانٹ ڈپٹ اور پیار ومحبت کے مِلے جُلے الفاظ میں طلبہ کی تربیت کرنا، خادموں، عبارت پڑھنے والوں اور بالخصوص مقرّبین پر گہری نظر رکھنا، اور "حسنات الأبرار سیئات المقرّبین" کی عملی تصویر قائم کرنا، اِسی طرح حضرت علیہ الرحمۃ کے ورع وتقویٰ، قدرتی خُداداد رُعب ودبدبہ کا اِس قدر مؤثّر ہونا کہ آپ کے پاس ہوتے ہوئے محبّین ومتوسّلین کے حاشیۂ خیال میں وسوسۂ گناہ تک کا گذر نہ ہو، وغیرہ ایسے بیشتر گوشے ہیں، جو احقر کے اپنے علمِ ناقص ومحدود مطالعہ کے مطابق محض اِسی رسالے کی خصوصیت وامتیاز ہے۔

الغرض! احقر کو اِس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی تأمّل نہیں کہ آپ کے رسالے سے حضرت علیہ الرحمۃ کی زندگی آنکھوں کے سامنے گردش کرگئی؛ گویا وہ آپ علیہ الرحمۃ کی علمی، عملی، اخلاقی، غرض ہمہ جہتی زندگی کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ جہاں آپ کا یہ رسالہ حضرت مفکّرِ قوم وملّت فخرِ گجرات مدظلّہ العالی، مفتیٔ گجرات حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتھم اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب دامت فیوضہم وغیرہ دیگر اساطینِ علم کے بیانات ومضامین کی وجہ سے غیر معمولی افادیت کا حامل ہے، وہیں یہ ظاہری طباعت وکتابت سے بھی کافی آراستہ ہے۔ یہاں یہ بات ذکر کردینا مناسب سمجھتا ہوں- آپ اِسے حضرت علیہ الرحمۃ کی محبت کہہ لیجیے یا اپنے رسالے کی مقبولیت- کہ صرف تین، چار گھنٹوں میں ۲۰۰ رسائل ہاتھوں ہاتھ لیے گئے۔

آپ کا اپنے رسالے ''بہارِنبوّت'' کا آغاز حضرت علیہ الرحمۃ کے نمبر سے کرنا بلاشبہ آپ کے لیے سرمایۂ سعادت ہے، اللہ سے دعا ہے کہ آپ کا رسالہ ''بہارِنبوّت'' ''بہارِامّت'' کا سبب بنے، ''سدابہار'' رہے اور کبھی خزاں آشنا نہ ہو۔ آمین

فقط والسلام

محمد جابر

جامعہ قاسمیہ عربیہ، کھروڈ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سچ یہ ہے کہ آپ کا اتنی سادگی وصفائی سے اتنے وقیع تأثرات لکھنا آپ کی محبتِ شیخ کی غمازی کرتا ہے۔ ساتھ ہی خوردوں کی ہمت افزائی کے جذبے اور آپ کی طبیعت وفکر کی سادگی وسلامتی کا بھی پتہ دے جاتا ہے۔ امید ہے کہ اس شفقت کو ہمیشہ باقی رکھئے گا۔

فجزاکم اللہ خیرا۔

طاہر عفی عنہ

برادرم مولوی محمد طاہر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ ہم بخیر ہیں اور متوقع ہیں کہ آپ بھی بخیر وعافیت ہوں گے۔

راقم سطور ''سرونج ۔ضلع ودیشہ ۔مدھیہ پردیش'' کا رہنے والا ہے۔

ہمارے وہاں کا ایک بچہ، جو مولوی محمد جابر صاحب کے مدرسے میں زیر تعلیم ہے، اس نوعمر طالب سے بھی میری پہلی ملاقات تھی، اللہ جانے کسی کے کہنے یا حسنِ ظن کی بنیاد پر اس طالب علم نے آپ کا ترتیب دیا ''بہارِ نبوت'' کا اولیں شمارہ پیش کیا، جو مظاہر علوم قدیم و جدید کی بزم حدیث کے ''میر مجلس'' حضرت مخدوم مولانا محمد یونس صاحب کے حالات، خصوصیات اور کمالات نیز حضرت مرحوم کے بارے میں دنیائے اسلام کے بلند مقام علماء کے تأثرات کی پہلی قسط ہے۔

آپ نے سادہ اور بے تکلف انداز میں بہت کچھ پیش کر دیا۔

آپ کا یہ بھائی ''رسمی طور پر دار العلوم ندوۃ العلماء کا خوشہ چیں رہا ہے'' مگر اللہ کے فضل سے ہند میں سرمایۂ ملت کی نگہبانی کرنے والے ربانی علماء اور مشائخ کی صحبتیں بھی خوب خوب اٹھائی ہیں، جن میں متکلمِ اسلام حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، بقیۃ السلف مولانا محمد احمد صاحب پرتا پگڈھی اور مولانا سید صدیق احمدؒ سرفہرست ہیں۔

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب، محدثِ جلیل علامہ حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی، آج کے شیخ المشائخ مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی سے بھی ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ محترم مفتی محمود حسن صاحب، مولانا معراج صاحب، مولانا نصیر احمد خان صاحب اور مولانا عبد الجبار صاحب (ان سب پر اللہ کی رحمتیں ہوں) کے دروس میں حاضری ہوتی رہتی تھی۔

۱۹۹۰ء سے قبل اکابرِ مظاہر علوم کے درمیان ہونے والے اختلافات کے سال ''ندوۃ العلماء میں امتحانات کے بعد ہونے والی تعطیلات میں پہلی بار'' ختم نبوت کے وارث شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب کی زیارت کرنے سہارن پور پہنچا۔ اُن دنوں آپ کا قیام مرحوم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کے مکان ''کچے گھر'' کے بالائی کمرے میں تھا۔ تین دن حضرت کے ساتھ رہنے کا موقع ملا، اِن تین دنوں میں کیا کچھ دیکھا، کیا کچھ ملا، اُس کو ضبطِ تحریر میں لانا میرے لیے ممکن نہیں۔

جمعرات کے روز حضرت مرحوم سے ملاقات ہوئی، ایک نو وارد طالبِ علم کے ساتھ شیخ نے اخلاق اور اپنائیت کا ایسا اظہار کیا کہ چند لمحوں میں اجنبیت دور ہوگئی، ایک کھلے میدان میں اس وقت حضرت کے درس میں شریک ہوا، عبارت پڑھنے والے عبارت میں بار بار اعرابی غلطی کرتے، تو حضرت فرماتے: کم بخت! یہ مولوی عبدالحفیظ ندوۃ العلماء سے آئے ہیں، کیا تأثر لیں گے کہ ؂

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو ایک قطرۂ خوں نہ نکلا

دوسرے دن جامع مسجد سہارن پور میں نمازِ جمعہ پڑھنے کے لیے قیام گاہ سے باہر آئے، اتفاق سے کوئی رکشہ نہیں ملا، جامع مسجد تک پیدل جانا ہوا، ہم لوگ مسجد میں داخل ہوئے کہ خطبے کی اذان سنائی دی، اور حضرت شیخ نے سنتوں کی نیت باندھ لی، آس پاس بیٹھے نمازیوں نے چہ می گوئیاں کیں، لیکن یہ معلوم ہونے پر کہ شیخ الحدیث ہیں، سہم گئے۔ قیام گاہ پر واپس آئے تو کسی شاگرد نے بات دہرائی، تو فرمایا: بھائی لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے ہم سے دیر نہیں ہوئی، اتفاق تھا کہ رکشہ نہیں ملا، مسجد پہنچے تو اذان شروع ہوگئی تھی، صحیح مسلم میں حضرت وائل بن مغیرہ کی روایت پر عمل ہو جائے، اس جذبے سے ہم نے سنتوں کی نیت

باندھ لی۔

جامع مسجد پیدل جانے کی وجہ سے تھکاوٹ ہوئی، قیام گاہ پر آئے، کسی طالب علم کو پیر دبانے کے لیے کہا، بیچارے کے ہاتھ کچھ سخت تھے یا اُس نے کچھ زیادہ طاقت سے دبائے، آرام ملنے کے بجائے تکلیف اور بڑھ گئی، تکلیف کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو نکل آئے، میں نے کہا: حضرت! اجازت ہو تو یہ خدمت میں انجام دوں، فرمایا: مولوی عبدالحفیظ! آپ میرے مہمان ہیں، میں نے عرض کیا: پیر دبانا خود ایک فن ہے، اس کو میں نے اس فن کے اساتذہ سے سیکھا ہے، حضرت مولانا صدیق احمد صاحب اور حضرت مولانا احمد صاحب پرتا پگڈھی کے پیر دباتا تھا، تو یہ حضرات آرام محسوس کرتے اور خوش ہو کر دعائیں دیتے تھے، تو اجازت دی، دو چار منٹ پیر دبائے تھے کہ چہرہ کِھل اُٹھا، مسکرائے اور فرمایا: عبدالحفیظ! پیر دباتے ہوئے کچھ پڑھ کر پھونکتے ہو؟

دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم میں ہونے والے اختلافات اور ان کی سنگینی تھوڑی بہت آپ کے ذہن میں ہوگی۔ اُس وقت اکابر کے بارے میں حضرت اقدس مولانا افتخار الحسن صاحب اور دیگر حضرات کے بارے میں کیا کیا کہا اور لکھا گیا، مگر حضرت شیخ جون پوری کی عظمت شان تھی کہ کوئی بات سامنے آتی، تو فرماتے کہ میرے سامنے کچھ نہ کہو، حضرت مفتی صاحب میرے استاذ ہیں، فلاں صاحب میرے استاذ زادہ ہیں، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ غیبت یا کسی کے دل دکھانے والی بات سننے سے حضرت مرحوم کو شدید قسم کی اذیت ہو رہی ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا بار بار والہانہ انداز میں ذکر کرتے اور فرماتے: حضرت مولانا ہمارے سرتاج ہیں۔

۲۵-۳۰ سال پہلے حضرت شیخ کے یہاں گزرے صرف تین دن اور ان تین دنوں میں ایک نو وارد کے ساتھ حسن سلوک اور اکرام کی حد تک اس کا خیال رکھنے کی لذت آج بھی باقی ہے، آج حضرت مرحوم کے دسترخوانِ علم ومعرفت کے سعادت مند خوشہ چیں کے سامنے پہلی بار دلی جذبات کا تحریری طور پر اظہار کیا ہے۔ آپ کی سعادت مندی ہے کہ حضرت کی معیت میں رہے، اور اُن کے علمی و روحانی شہ پارے مرتب کر کے ہم سب پر احسان کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حضرت والا کے علوم و معارف کو مرتب کرنے کی مزید توفیق دے، ان کے شاگردوں اور جانشینوں کے ذریعے وہ خلا پُر ہو، جو ہمارے درمیان سے حضرت شیخ کے چلے جانے سے محسوس ہورہا ہے۔ خلافِ معمول تحریر کچھ زیادہ طوالت اختیار کرگئی ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں۔

دعا کا طالب

عبدالحفیظ